یا یہ کہ کائنات کا ذرہ ذرہ تقاضہ کرتا ہے کہ آدمی چشم بینا سے اُسکو دیکھے اور صانع حقیقی کو پہچانے ۔ یا یہ کہ آنکھ باغ جہان کی ہر رنگ کو دیکھے۔

(ردیف ب)

پھر ہوا وقت کہ ہو بال کشا موجِ شراب — دے بطِ مے کو دلِ دست شنا موجِ شراب

پھر وہ وقت آیا کہ بطِ مے (یعنے صراحی جو بہ شکل بط ہو) پرواز کرے اور بطِ مے کو جو شناوری بطِ مے کو دوست رکھتا ہے۔ شنا کرنے یعنی تیرنے کے لیے موجِ شراب یا دریاے مواج شراب عنایت کرے ۔ ظاہر ہے کہ بط ایک دریائی جانور ہے اور وہ اکثر تالابون جھیلون دریاؤن وغیرہ مین رہتا ہے ۔ حاصل یہ کہ پھر فصلِ بہار آئی چاہئے کہ شراب کا دور چلے ۔ بطِ مے کی بال کشائی کو دورِ شراب سے استعارہ کیا ہے ۔

پوچھ مت وجہ سیہ مستی اربابِ چمن — سایۂ تاک مین ہوتی ہی ہوا موجِ شراب

اربابِ چمن (باغ کے سرسبز درخت) سیہ مست ۔ بہت مست ۔ تاک انگور کی ٹٹیان مطلب یہ ہے کہ جوانانِ چمن جو سیہ مست ہو رہے ہین اسکی وجہ نہ پوچھ ۔ بات یہ ہے کہ سایۂ تاک کی ہوا موجِ شراب کا اثر رکھتی ہی ۔ چونکہ یہ اُس سایہ سے ہوکر گذرے ہین اسوجہ سے بدمست ہو ہو کر جھوم رہے ہین ۔ سیہ مست اسوجہ سے کہا ہے کہ درختون کی گہری سبزی سیاہی کی حد تک پہونچ جاتی ہے اور یہ تشبیہ بے مثال ہے

جو ہوا غرقۂ مے بختِ رسا رکھتا ہے — سر سے گذرے پہ بھی ہی بالِ ہما موجِ شراب

حالانکہ پانی مین غرق ہو جانا باعث موت ہے مگر یہان معاملہ برعکس ہے کہ اگر موجِ شراب سر سے بھی گذر جائے تو گویا جسکے سر سے وہ موج گذرے اُسکے سر پر سے ہما گذرا جس کا سایہ پڑنا اور سر سے گذرنا رسائی بخت کی دلیل ہے ۔ موجِ شراب کا سر سے گذرنا ۔ نشہ چڑھنے یا اُس کے پیچھے تباہ ہونے کے بھی معنی پیدا کرتا ہے ۔

ہے یہ برسات وہ موسم کہ عجب کیا ہی اگر — موجِ ہستی کو کرے فیضِ ہوا موجِ شراب

یہ برسات وہ موسم ہے کہ اسکی بہار سے جب بہت سی کیفیتون اور بہت سی اشیا مین انقلاب پیدا ہو جاتا ہی تو اِس بات کو دیکھتے ہوئے کیا تعجب ہی کہ ہواے بہار فیضِ موجِ ہستی کو موجِ شراب بنا دے ۔ چونکہ ہواے بہار بھی نشاط آور ہے اور شراب بھی باعث سرور ہے اسواسطے مبالغہ مین یہ صورت پیدا کی گئی ۔ موجِ ہستی اِس لیے کہا گیا کہ دنیا بھی گذران ہے ۔ اور یہ تشبیہ بالحرکت ہے جو نہایت لطیف ہے ۔

چار موج اُٹھتی ہین طوفانِ طرب سے ہر سُو — موجِ گُل موجِ شفق موجِ صبا موجِ شراب

طوفانِ طرب سے ہر طرف چار موجین اُٹھتی ہین اور انکا ہر طرف جوش ہے ۔ موجِ گُل یعنی چار طرف رنگا رنگ پھول کھلے ہوے ہین (موجِ شفق) آسمان پر ہر طرف شفق پھولی ہوئی ہے (موجِ صبا) ہر طرف نسیم خوشگوار اٹھکھیلیان کرتی پھرتی ہی اور جابجا شراب کا دور ہے ۔ مصنف نے اس شعر مین بہار کی تصویر کھینچ دیتی ہی

جس قدر روحِ نباتی ہی جگر تشنۂ ناز — دے ہی تسکین بہ دمِ آبِ بقا موجِ شراب

روحِ نباتی یعنی سبزہ جسقدر جگر تشنۂ ناز ہے یعنی سبزہ جسقدر لہلہانا چاہتا ہے ۔ اور نمو اور ناز کی خواہش رکھتا ہے اُسیقدر موجِ شراب اپنے آبِ بقا کے گھونٹون سے اُسکو تسکین اور تقویت دیتی ہی ۔

بسکہ دوڑے ہے رگِ تاک مین خون ہو ہو کر — شہپرِ رنگ سے ہے بال کشا موجِ شراب

بادہ شراب انگور کی بیلو مین خون ہو ہو کر دوڑ رہا ہے ۔ تو گویا اُس کا وہ دوڑنا پرواز کرنا ہے اور یہ رنگینی پر پرواز ہے جو بیلو نکے پتون وغیرہ پر ظاہر ہے تو گویا یہ رنگ موجِ شراب ہے ۔ مولانا نظم نے لکھا ہے کہ لفظ خون مین اعلان نون فصیح ہے ۔ اور اکثر فصحا بغیر اعلان اسکو استعمال بھی نہین کرتے ۔ مگر میرے نزدیک یہ خیال صحیح نہین ہے دونون صورتون مین فصیح ہے ۔ عرفی ایک جگہ کہتا ہے ۔ ؎

خون کہ از مہر تو شبشیر دہ طفلی خوردم ہمچنان خون شد و از دیدہ برون می آید
اسیطرح سیکڑون شعر مل سکتے ہین دل راحت پسند زحمت تلاش کو فضول سمجھتا ہے

موجۂ گل سے چراغان ہے گذرگاہ خیال ہے تصور مین ز بس جلوہ نما موج شراب

چونکہ میرے تصور مین موج شراب جلوہ نما ہے اور موج شراب اپنی رنگینی کی وجہ سے مثل موجۂ گل ہے اور موج گل چراغان سے مشابہ ہے تو میرے گذرگاہ خیال مین گویا چراغان کی کیفیت پیدا ہو رہی ہے —

ایک عالم پہ ہین طوفانی کیفیت فصل موجۂ سبزۂ نوخیز سے تا موج شراب

یعنی موج سبزہ اور موج شراب نے ایک جہان کے اوپر کیفیت فصل کا طوفان ظاہر کر دیا ہے - طوفانی طوفان ظاہر کرنیوالے حاصل یہ کہ ان دونون نے دنیا مین نشاط وطرب کا طوفان اٹھا رکھا ہے —

شرح ہنگامۂ ہستی ہے زہے موسم گل رہبر قطرہ بہ دریا ہے خوشا موج شراب

موسم گل عجیب چیز ہے جس سے ہنگامۂ ہستی کی شرح ہو رہی ہے - اور یہ ظاہر ہے کہ بہار کی نشاط اور خوشگواری بھی چند روزہ ہے اور ہنگامۂ ہستی کی پائداری اور خوشی کا وجود بھی بے بقا ہے اسواسطے موسم گل اُسکی شرح ہے - موج شراب نہایت اچھی چیز ہے جو قطرہ کو دریا سے ملا دیتی ہے یعنی بے خود و مدہوش کر کے فنا سے مشابہ کر دیتی ہے - اور فنا روح کو اُسکے مرجع کیطرف لوٹا دیتی ہے جسکی تفصیل ؎
عشرت قطرہ ہے دریا مین فنا ہو جانا ہین گذر چلی ہے
موج شراب کا قطرہ کو دریا مین ملا دینا —
ایک لطف رکھتا ہے جو طبع سنجیدہ پر پوشیدہ نہین ہے —

ہوش اُڑتے ہین مرے جلوۂ گل دیکھ اسد پھر ہوا وقت کہ ہو بال کشا موج شراب

اسد جلوۂ گل کو دیکھکر میرے ہوش اُڑے جاتے ہین اور اس سے پتہ چلتا ہے

کہ شراب کے دور کا وقت آ پہونچا ہے یا یہ کہ اسد ذرا جلوۂ گل کو دیکھ میرے تو ا[...]
دیکھکر ہوش و حواس غائب ہوئے جاتے ہیں لہذا شراب پینی چاہیئے —

(ردیف ت)

افسوس کہ دیدان کا کیا رزق فلک نے جن لوگون کی تھی در خور عقد گہر انگشت

دیدان کیڑونکو کہتے ہین اس صورت مین یہ معنے پیدا ہوتے ہین کہ افسوس جن لوگون [...] انگلیان سلک گہر کے قابل تھین اُنکو فلک کینہ جو نے فنا کر کے کیڑونکا رز[ق ...] دیا جیسے کہ ایک جگہ خاقانی فرماتے ہین ؎
بسے بادام چشمان را کہ دیدی اندرین دنیا بگرد خانہ چشمش ز موران کاروان [...]
شہنشاہے کہ بر قصرش ہزاران پاسبان بودی کنون بر قبۂ گورش کلاغان پاسبا[ن ...]
اور اکثر نسخو نمین بجائے دیدان کے دندان دیکھا گیا ہے - اس صورت مین یہ مط[لب] نکلتا ہے کہ افسوس آسمان نے ان عقلا کی اُنگلیان جو عقد گہر کی قابل تھین [...] رزق بنا دیا ہے - یعنی وہ اسکے انقلاب سے انگشت بدندان ہین - یا اسکے [...] اپنی اُنگلیان چباتے ہین —

کافی ہے نشانی تری - چھلے کا نہ دینا خالی مجھے دکھلا کے بوقت سفر انگ[شت]

سفر کے وقت نشانی کے لیے چھلا وغیرہ دیتے ہین مصنف کہتا ہے کہ مجھے تیری [...] نشانی کافی ہے کہ تونے مجھے خالی انگلی دکھا دی اور نشانی نہ دی - یا شوخ[ی ...] انگوٹھا دکھا دیا -

لکھتا ہون اسد سوزش دل سے سخن گرم تا رکھ نہ سکے کوئی مرے حرف پہ انگ[شت]

اسد سوزش دل کی وجہ سے مین سخن گرم لکھتا ہون (سخن گرم خوبی سخن سے [...] اور یہ گرم سخن اس لیے ہین کہ کوئی میرے حرفون پر انگلی نہ رکھ سکے - یعنی ع[...] نہ کر سکے - اس شعر مین صرف رعایتو نکی گرم بازاری ہے - ایک جگہ مومن م[...]

یون فرماتے ہین ؎

کیا تاب میرے حرف پہ انگشت رکھ سکے
ہر خط پہ نکتہ چین کو ہے وہم و گمان تیغ

رہا گر کوئی تا قیامت سلامت
پھر اکروز مرنا ہے حضرت سلامت

اگر کوئی قیامت تک زندہ رہا تو کیا پھر بھی اکروز مرنا ضرور ہے بقول شخصے ؎

جب غنا ٹھہری تو پھر کیا سو برس کیا ایکدن

جگر کو مرے عشق خونابہ مشرب
لکھے ہے خداوند نعمت سلامت

عشق جسکا مشرب خون پینا ہے - میرے جگر کو ہمیشہ خداوند نعمت لکھتا ہی - اسلئے کہ اس نے اسی کے خون سے پرورش پائی ہے - مشرب اس جگہ اگرچہ اردو ہے مگر بہت مناسب واقع ہوا ہے -

علی الرغم دشمن شہید وفا ہون
مبارک مبارک سلامت سلامت

علی الرغم دشمن یعنی بخلاف دشمن کے مین شہید وفا ہون - اسی پر خود کو مبارکباد دیتا ہے - یعنی دشمن شہید وفا نہین ہوا ہی اور مین شہید وفا ہون - مبارک سلامت پورا جملہ مبارکبادی کا ہے مولانا نظم نے اپنی شرح مین یہ لکھا ہے - کہ مبارک اسوجہ سے کہ رقیب کے خلاف مراد ہے اور سلامت اسوجہ سے کہ شہید وفا زندۂ جاوید ہے -

نہین گر سر و برگ ادراک معنے
تماشائے نیرنگ صورت سلامت

اگر دریافت معنی کا سامان نہین ہی تو نہ سہی - نیرنگی صورت یعنی ظاہری اجسام وغیرہ کا دیکھنا ہی غنیمت ہے - کہ اثر کو دیکھکر موثر کا خیال پیدا ہوتا ہے - یعنی عشق مجازی زینہ ہے عشق حقیقی کا -

مند گئین کھولتے ہی کھولتے آنکھین غالب
یار لائے مری بالین پہ اسے پر کس وقت

کھولتے ہی کھولتے آنکھین بند ہو گئین یعنی موت آگئی - یارون نے مجھپر احسان کیا کہ کوشش کر کے اسکو میری بالین پر لائے مگر اب وقت نکل چکا تھا - لا نا بیکار ثابت ہوا - اسی مضمون کو یون کہا گیا ہے ؎

خوب وقت آئے تم اس عاشق بیمار کے پاس
مند گئین کھولتے ہی کھولتے آنکھین ہے ہے

آمد خط سے ہوا ہی سرد جو بازار دوست
دود شمع کشتہ تھا شاید خط رخسار دوست

خط کے نکلنے سے بازار حسن دوست سرد ہو گیا - شاید خط رخسار حسن کی شمع کشتہ کا دھوان تھا - اسمین سبزۂ رخسار کی برائی کی گئی ہے - شیخ شیراز بھی ایک جگہ اسی موقع پر فرماتے ہین ؎ -

سبزہ در باغ گفتہ اند خوش است
داند آنکس کہ این سخن گوید

یعنے از روے نیکوان خط سبز
دل عشاق بیشتر جوید

بوستان تو گندنا زاریست
بسکہ بر مے کنی و مے روید

ایک جگہ یون فرماتے ہین ؎

گر دست بجان داشتمی ہمچو تو بر ریش
نگذاشتمی تا بہ قیامت کہ برآید

اے دل ناعاقبت اندیش ضبط شوق کر
کون لا سکتا ہی تاب جلوۂ دیدار دوست

اے ناعاقبت اندیش دل اپنے شوق دید کو ضبط کر - کوئی ایسا ہے کہ جلوۂ دوست دیکھ سکے یہ تلمیح ہے قصہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کیطرف - اس قسم کے شعر بہت سے ہین اور یہ مضمون قریب قریب تمام شعراء ہند کا کہا ہوا ہے -

خانہ ویران سازی حیرت تماشا کیجئے
صورت نقش قدم ہون رفتۂ رفتار دوست

دیکھئے حیرت نے کیسا میرا گھر اجاڑا ہے کہ مجھکو نقش قدم کی مانند وارفتہ رفتار دوست بنا دیا ہے وارفتہ بمعنے آوارہ - اور مجنون رفتار کے عشق مین وارفتہ ہونا - ایک نہایت لطیف مناسبت لفظی ہے - تماشا کردن فارسی کا محاورہ ہے - جس کا اردو مین ترجمہ کر دیا ہی - مگر اردو مین - دیکھنا - ملاحظہ کرنا - موجود ہی - اور وہ اچھا ہے

53

عشق مین بیدادِ رشکِ غیر نے مارا مجھے
کشتۂ دشمن ہون آخر گرچہ تھا بیمارِ دوست

اگرچہ مین دوست کا بیمارِ عشق تھا۔ اور اُسی مین مجھکو مرنا چاہیے تھا۔ مگر میری محرومیِ قسمت دیکھیے کہ اُس مین مرا تو دشمن کے ہاتھ سے مرا یعنی دشمن کے رشک مین مجھکو موت آئی۔ اور اِس صورت مین کشتۂ دوست کے خطاب سے مفتخر نہو سکا۔

چشمِ ما روشن کہ اُس بیدرد کا دل شاد ہی
دیدۂ پُرخون ہمارا ساغرِ سرشارِ دوست

چشمِ ما روشن۔ دل ما شاد۔ خوشی کے محل پر بولتے ہین۔ چونکہ وہ بیدرد ہمارے رنج اور ہمارے دُکھ سے خوش ہے ہم اِس سے بہت خوش ہین۔ گویا ہمارا دیدۂ پُرخون اُسکے لیئے۔ شراب کا لبریز ساغر ہے۔ یہ ظاہر ہے کہ چشمِ ما روشن محض رعایت لفظی کے لحاظ سے لایا گیا ہے۔ مگر اِس محل پر نہایت مناسب ہے۔ دوسرے مصرعہ مین ہر محذوف ہے۔ اور یقیناً ایسا حذف بقول جناب حسرت موہانی نہایت ناگوار ہے۔

غیر یون کرتا ہے میری پُرسش اُسکے ہجر مین
بے تکلف دوست ہو جیسے کوئی غمخوارِ دوست

یہ ایک قطعہ ہے۔ واضح ہو کہ مُصنّف کے زمانہ تک غزل مین قطعے لکھے جاتے تھے۔ مگر آجکل یہ رواج بہت کم ہو گیا ہے۔ اور بعض شعرا اسکو عیوب شاعری سے سمجھتے ہین۔ مگر یہ وہ لوگ ہین جو محض تک بندی کر لیا کرتے ہین اور جنکو یہ بھی معلوم نہین ہی کہ ایک وہ زمانہ تھا جب غزلین مسلسل لکھی جاتی تھین اور مقطع وغیرہ کسی چیز کی بھی پروا نہ کیجاتی تھی شاعری محض اظہار جذبات کا ایک آلہ تھا اور وہ سب قیود سے آزاد تھی اب تو شاعری کا یہ رنگ ہی کہ لفظ لفظ مین ذم کے پہلو نکالے جاتے ہین اور یہ حالت خصوصیت سے لکھنؤ مین پائی جاتی ہی۔ حالانکہ جو لوگ ایسے اعتراضات کرتے ہین وہ خود یہ بھی نہین جانتے کہ ذم کس جانور کا نام ہے اور تنافر کس چڑیا کو کہتے ہین۔ مثال کے لیے لیجیے۔ کہ غالب کے اسی شعر مین (غیر یون کرتا ہے) کو کھُلے ذم سے تعبیر کیا جاتا۔ حالانکہ اگر یہی ناانصاف فرقہ غور کرے تو سمجھ سکتا ہے کہ دنیا مین کوئی شعر بھی ایسا نہ ملیگا کہ جسمین یہ پہلو نہین نکالے جا سکتے۔ اس کی خاص وجہ یہ ہے کہ امرا القیس علیٰ نفسہٖ

جیسا آدمی خود ہوتا ہے ویسا ہی دوسرے کو سمجھتا ہے۔ خرابیٔ اخلاق دوسرے کو بھی بُرا سمجھنے پر مجبور کر دیتی ہے۔ ایکدن کا ذکر ہے کہ مین نے اپنے ایک دوست کے سامنے مولانا حالی مرحوم کا یہ شعر پڑھا ؎

کیون چھیڑتے ہو ذکر نہ ملنے کا رات کے
پوچھینگے ہم سبب تو بتا یا نہ جائیگا

شعر سُنکر فرمایا کہ اسمین ذم ہے۔ آگے اُنھون نے جو کچھ وجہ بیان فرمائی میرا قلم اُسکو نہین لکھ سکتا مین کچھ کا کچھ لکھنے لگا۔ حالانکہ ابھی شعر کا مطلب بیان نہین کیا سُنیئے غیر میری حالت کی اسطرح پُرسش کرتا ہے جیسے کوئی دوست کسی دوست کا حال پوچھتا ہے۔

تاکہ مین جانون کہ ہی اُسکی رسائی وان تلک
مجھکو دیتا ہی پیامِ وعدۂ دیدارِ دوست

اور یہ پرسش حال کچھ از راہ مہربانی نہین ہے بلکہ مطلب کچھ اور ہے یہ جتانے کے لئے کہ مین یہ سمجھون کہ اُسکی وہان تک رسائی ہے اسواسطے دوست کے وعدۂ دیدار کا مجھکو پیغام دیتا ہے۔

جبکہ مین کرتا ہون اپنا شکوۂ ضعفِ دماغ
سر کرے ہی وہ حدیثِ زلفِ عنبر بارِ دوست

جب مین اُس سے اپنے ضعف دماغ کی شکایت کرتا ہون۔ یعنی یہ بات کہتا ہون کہ خاموش رہ میرا دماغ بہت ضعیف ہے مجھے کوئی بات سننے کی تاب نہین ہے تو وہ اور بھی زلف مشکبوئے یار کے قصہ کو طول دیتا ہے اور چھیڑتا ہے۔ سر کرنا فارسی محاورہ ہی شروع کرنے کے معنے مین اُردو مین غیر فصیح ہے زلف کو شعرا مشکبو۔ اور عنبرین لکھتے ہین اس لحاظ سے شکوہ ضعف دماغ پر اُس کا قصۂ چھیڑنا لطف سے خالی نہین ہے۔

چپکے چپکے مجھکو روتے دیکھ پاتا ہے اگر
ہنس کے کرتا ہی بیانِ شوخیٔ گفتارِ دوست

اگر مجھکو چپکے چپکے روتے دیکھ پاتا ہے تو اُسکی شوخ گفتاری کا تذکرہ کرتا ہی۔

مہربانی ہاے دشمن کی شکایت کیجئے
یا بیان کیجیے سپاسِ لذتِ آزارِ دوست

54

اسحالت مین دشمن کی ان مہربانیون کی جو وہ میرا جی جلانے کے لیے کرتاہے شکایت کرون - یا لذت آزار دوست کا شکریہ کرون کہ وہ اس کا آشنا ہمراز ہو گیا۔

یہ غزل اپنی مجھے جی سے پسند آتی ہے آپ ہے ردیف شعر مین غالب زبس تکرار دوست

مجھے اپنی یہ غزل دل سے پسند ہے کیونکہ غزل کی ردیف مین بار بار لفظ دوست جو مجھکو پیارا ہے زبان پر آتاہے بقول مومن

نہ مانونگا نصیحت پر نہ سنتا مین تو کیا کرتا کہ ہر اک بات مین ناصح تمھارا نام لیتا تھا

(ردیف ج)

گلشن مین بند و بست برنگ دگر ہے آج قمری کا طوق حلقۂ بیرون در ہے آج

یعنے آج باغ مین عجیب طریقہ سے انتظام کیا گیا ہے - قمری کو جو ایک مرغ نوا سنج چمن ہے ابھی اندر نہین جاسکتی اور اس کا طوق اسکے واسطے حلقہ بیرون در بنا ہوا ہے حلقہ بیرون در سے اندر کے جانے کی روک ٹوک مراد ہے - شیخ علی حزین فرماتے ہین ؎

عجب نبود کہ جوہر حلقۂ بیرون در گردد چنین کائینۂ حسن تو لبریز صفا گردد

یعنے میرا آئینۂ حسن صفا آج لبریز ہو رہا ہے عجب نہین ہے کہ جوہر آئینہ حلقۂ بیرون در بنجائے۔

آتا ہے ایک پارۂ دل ہر فغان کے ساتھ تار نفس کمند شکار اثر ہے آج

آج ہم جب نالہ کرتے ہین تب ہی ایک دل کا ٹکڑہ اس فغان کے ساتھ آتا ہے شاید آج ہمارے نفس نے کمند بنکر اثر فغان کو شکار کر لیا ہے یعنی آج ہمارے آہ و نالہ مین اثر ہوا ہے کیونکہ ہم مدت سے چاہتے تھے کہ کسیطرح موت آئے آج اسکے کچھ آثار ظاہر ہوئے ہین دوسری شرحونمین اسطرح اس شعر کے معنے بیان کئے گئے ہین تار نفس کے کمند نے اثر کو شکار کر لیا ہے لیکن اس اثر کا نتیجہ اُلٹا ہے کہ ہر فغان کے ساتھ ایک پارۂ دل باہر آتا ہے یعنی اثر آہ سے دل ٹکڑے ٹکڑے ہوا جاتا ہے اثر آہ کے اس اُلٹے نتیجہ کے ذکر سے اپنی بدبختی کا اظہار منظور ہے میرے نزدیک ایک

سیدھے سادے مطلب کو چھوڑ کر تا دیل سے کام لینا فضول ہے نیز دوسرا مصرعہ طنز یہ بھی ٹھہرایا جاسکتا ہے - باقی ان معنونکو بھی غلط نہین کہا جاسکتا موخر الذکر معنی سے ملتا جلتا میرا ایک شعر ہے ؎

نہین کوئی سہارا اب نوید اے مرگ مایوسی مری آنکھونکو خود دعویٰ ہے میری لگدازی کا

ایک جگہ داغ مرحوم فرماتے ہین ؎

خدا ہی خیر کرے آج رنگ بے ڈھب ہے تپک رہا تھا کئی دن سے آبلہ دل کا

داغ کا شعر مترادف المعنی ہونیکی حیثیت سے نہین لکھا گیا یاد آیا اور قلم اسکے لکھنے سے باز نہ رہا۔

اے عافیت کنارہ کر اے انتظام چل سیلاب گریہ درپئے دیوار و در ہے آج

اے عافیت اور اے انتظام خیریت اسی مین ہے کہ یہان سے نکل بھاگو میرے آنسوؤنکا سیلاب آج در و دیوار گرانے کے لئے تیار ہے اس شعر کی تعریف نہین ہو سکتی اور یہ غالب کا خاص انداز بیان ہے ؎

خراب خانۂ دل اور موج سیل سرشک تم اپنی یاد سے کہدو کہ اب یہان نہ رہے

لو ہم مریض عشق کے تیماردار ہین اچھا اگر نہو تو مسیحا کا کیا علاج

کہا جاتا ہے کہ مریض عشق کی تیمارداری کے لیے کوئی نہین ہے تو ہم اسکی تیمارداری کے ذمہ دار ہوتے ہین مسیحا اس کا علاج کرین مگر جو مسیحا کے علاج سے وہ اچھا نہو تو پھر انکا کیا علاج کیا علاج ایک محاورہ ہے جسکے معنے یہ ہین کہ انکو کیا سزا دیجائے جو یہان بہت ہی برمحل صرف ہوا - ذوق مرحوم بھی کچھ ایسا ہی فرماتے ہین ؎

بیمار عشق کا جو نہ تجھ سے ہوا علاج کہہ اے طبیب تو ہی کہ پھر تیرا کیا علاج

(ردیف جیم فارسی) چ

نفس نہ انجمن آرزو سے باہر کھینچ اگر شراب نہین انتظار ساغر کھینچ

بزم آرزو سے باہر نہ جا اور آرزو کرنی نہ چھوڑ اگر شراب نہیں کھینچ سکتا یا کھینچنے کو نہیں ملتی تو ساغر شراب کا انتظار کر شراب کھینچنا محض فارسی کا محاورہ ہے اور انتظار کھینچنا اردو اور فارسی زبانمیں مشترک ہے یعنی ؎

کچھ نہ کچھ چھیڑ چلی جائے اسد
گر نہیں وصل تو حسرت ہی سہی

کمال گرمیٔ سعیٔ تلاش دید نہ پوچھ
برنگ خار مرے آئینہ سے جوہر کھینچ

میری سعیٔ تلاش دید معشوق کی سرگرمی کی حالت نہ پوچھ گویا حسرت دیدار نے مجھے حیران کر کے آئینہ بنا دیا ہے اور اس آئینہ میں بجائے جوہر کے وہ کانٹے ہیں جو دوڑ دھوپ میں میرے تلوؤں میں چبھے ہیں تو بجائے حال پوچھنے کے انکو میرے تلوؤں سے کھینچ لے خود ہی تجھپر میری سعی و کوشش کا حال آئینہ ہو جائیگا گویا صورت ببین حالم مپرس کا مضمون ہے یا ؎

خود دیکھ لو فقیر کی صورت سوال ہے

تجھے بہانۂ راحت ہے انتظار اے دل
کیا ہے کسنے اشارہ کہ ناز بستر کھینچ

اے دل تو جو پڑے پڑے انتظار دیکھ رہا ہے معلوم ہوتا ہے کہ انتظار نہیں ہے بلکہ راحت طلبی کا ایک بہانہ ہے۔ لہذا اُٹھ اس بستر کے ناز اُٹھانے سے کنارہ کر ظاہر ہے کہ پڑے رہنے میں بستر کی ضرورت ہوگی اور یہ بستر کا ناز اور احسان سمجھا گیا نازِ بستر سے مصنف نے اسمیں مختلف معنی پیدا کیے ہیں یعنی اُٹھ صحرا نوردی کر یا اس بستر کا ناز کھینچنے سے مر رہ کیونکہ انتظار موت سے بدتر ہے یا یہ کہ ایک آرام طلبی کی صورت ہے اسی صورت سے انتظار نہ کرنا مجھے انتظار یار ہی کافی ہے بستر وغیرہ کی کچھ ضرورت نہیں ہے وغیرہ وغیرہ۔

تری طرف ہے بہ حسرت نظارۂ نرگس
بکوریٔ دل و چشم رقیب ساغر کھینچ

نرگس تجھکو حسرت سے دیکھ رہی ہے کہ تو شراب کیوں نہیں پیتا اور چونکہ تجھ میں حیا و شرم کا مادہ ہے اس لیے بے حجابانہ اسکے ہوتے شراب نہیں پی سکتا مگر میں تجھے بتاتا ہوں کہ میرا رقیب یعنی نرگس کور دل اور کور چشم ہے اسواسطے تجھے مے نوشی میں تکلف نہ کرنا چاہیے

نرگس کو بوجہ اسکے حسرت سے معشوق کی طرف نظارہ کرنیکے رقیب قرار دیا گیا بوجہ آنکھ سے مشابہ ہونے کے اسکو کور چشم اور بے نور ہونے کے سبب سے کور دل بتایا گیا! صرف بد دعا کے لیے یہ لفظ استعمال کئے گئے اس شعر میں دوسرا مصرعہ بہ استثنائے ردیف فارسی ہی آخری مصرعہ میں ب سببیہ اور قسمیہ دونوں صورتیں پیدا ہو سکتی ہیں اور یقینًا ایسے مصرعونکی یا شعرونکی اردو زبان متحمل نہیں ہو سکتی مگر مصنف پر فارسی کا رنگ غالب تھا اس لیے انکو مورد اعتراض ٹھہرانا بیجا ہے کیونکہ وہ خود فرماتے ہیں ؎

فارسی بین تا بہ بینی نقش ہائے رنگ رنگ
بگذر از مجموعہ اردو کہ بے رنگ من ست

بہ نیم غمزہ ادا کر حق ودیعت ناز
نیام پردۂ زخم جگر سے خنجر کھینچ

تیرا خنجر ناز و ادا جو میرے پردۂ زخم جگر میں امانت ہے اُسکو اپنے نیم غمزہ سے کھینچ لے اور ودیعت ناز کا حق ادا کر۔ نیام میں سے جب خنجر یعنی الف نکالیں گے تو نیم بچ جائے گا صاف یہ ہے کہ میں نے مدت تک اسکو نیام پردۂ زخم جگر میں امانت رکھا ہے۔ اب اس خنجر کو اس نیام سے نکال اور مجھے میری مزدوری۔ جو نیم نگاہ ہے حوالہ کر۔

مرے قدح میں ہے صہبائے آتش پنہاں
بروئے سفرہ کباب دل سمندر کھینچ

میرے پیالے میں شراب نہیں ہے بلکہ آتش پنہاں ہے لہذا کباب بھی سمندر کے دل کے دسترخوان پر لگانے چاہئیں کہ سب سامان مناسب جمع ہو جائے ایک بعید از قیاس معنی یہ ہیں کہ سمندر کا دل نون ہے جسکے معنے نفی کے ہیں اس صورت میں یہ معنے ہوے کہ میرے دسترخوان پر کباب نہ رکھ کیونکہ در اصل جسکو تو شراب سمجھا ہے وہ شراب نہیں ہے شراب کی تشبیہ آگ سے بوجہ سرخ ہونے کے مشہور ہے۔ سفرہ بمعنے دسترخوان۔ سمندر وہ کیڑہ جو آگ میں پیدا ہوتا ہے۔ کباب کھینچنا محاورہ نہیں ہے اگرچہ فارسی میں چیز تن چننے کے لیے کشیدن ہی بولتے ہیں مگر اردو میں اچھا نہیں معلوم ہوتا اور قطعًا غیر مانوس ہے

حسن غمزہ کی کشاکش سے چھٹا میرے بعد
بارے آرام سے ہیں اہل جفا میرے بعد

غمزہ ابرو و چشم سے معشوق کے اشارہ کرنے کو کہتے ہیں۔ غمزہ ہر وقت حسن سے کام لیتا تھا

اور اُسے تکلیف مین رکھتا۔ جب اُس حُسن و غمزہ نے مجھے قتل کر دیا ہے تب حسن اُس کشا کش سے چھوٹا ہے خیر غنیمت ہے کہ ظالمونکو میرے مرنے سے آرام ملا۔ اور اب کسی کو قتل کرنے کی ضرورت نہین رہی اسکا حاصل یہ ہے کہ ظالمون کے ظلم مجھ پر ختم ہو گئے۔ اور میرے عشق کا کمال یہ ہے کہ اگرچہ مین جان سے جاتا رہا مگر پھر بھی اونکو چین اور آرام سے دیکھکر مجھے خوشی ہوتی ہے۔

منصبِ شیفتگی کے کوئی قابل نہ رہا　　　ہوئی معزولی انداز و ادا میرے بعد

میرے بعد دُنیا مین کوئی فرد عہدۂ عشق کے قابل نہین رہا اور انداز و ادا معزول ہو گئے کیونکہ جب کوئی عاشق ہی نہین پھر غمزہ و ادا کس کام کے ہین۔ اسی زمین مین آتش مرحوم نے بھی اسی مضمونکو ادا کیا ہے فرماتے ہین ؎

ہو گیا سلسلہ مہر و محبت برہم　　　نازنین بھول گئے ناز و ادا میرے بعد

یہ ایک توارد ہے۔ کیونکہ مضمون بالکل پامال اور عام ہے مگر غالب نے مناسب الفاظ جمع کر کے شعر مین جان ڈالدی ہے اور یہ مانا ہوا مسئلہ ہے ع

لفظیکہ تازہ است بہ مضمون برابر است

شمع بجھتی ہی تو اُسمین سے دُھوان اُٹھتا ہے　　　شعلۂ عشق سیہ پوش ہوا میرے بعد

چونکہ مین آتشِ عشق کے سوز و گداز سے جل بجھا ہون تو شعلۂ عشق میرے غم مین سیہ پوش ہو گیا جیسے کہ جب شمع بجھ جاتی ہی تو اُسمین دُھوان اُٹھتا ہے تو گویا وہ دُھوان نہین ہے بلکہ وہی شعلہ ہے جو شمع کے جل بجھنے کے بعد سیہ پوش ہو گیا ہے۔ میرا ایک شعر ہے ؎

دلِ مرحوم کا غم کرتے ہین سب تیرے سوا　　　شبِ غم تک نظر آتی ہے سیہ پوش مجھے

خوں ہے دلِ خاک مین احوالِ بتان پر یعنی　　　اُنکے ناخن ہوئے محتاجِ حنا میرے بعد

میرا دل خاک مین ملنے کے بعد (یعنی قبر مین) معشوقون کا حال دیکھکر نہایت غمگین اور رنجیدہ ہے کہ اُنکے ناخونکو میرے بعد حنا کی احتیاج ہوئی۔ یعنی جب تک مین زندہ تھا وہ میرے دل کے خون سے اپنے ناخن اور ہاتھ رنگتے تھے۔ اور معشوقون کا خون مین ناخن اور

ہاتھ وغیرہ رنگنا ایک مشہور مضمون ہی۔ اس شعر مین دل کا خون ہونا۔ ایک مناسب ٹکڑا ہے جس سے یہ پہلو نکلتا ہے کہ مٹ جانے کے بعد بھی دل خود کو اس قابل بناتا ہے کہ اُنکے ناخونکے کام آسکے۔ جناب نظم اور حسرت صاحب نے اس شعر کے معنے یہ بیان کیے ہین کہ معشوقون نے میرے سُوگ مین مہندی لگانا چھوڑ دیا۔ مگر میرے نزدیک یہ صحیح نہین ہین۔ ایک جگہ سعدی علیہ الرحمۃ فرماتے ہین ؎

بہ خون عزیزان فرو بردہ چنگ　　　سر انگشت ہا کردہ عناب رنگ

یہ شعر میرے خیال کی تائید کرتا ہے۔

درخورِ عرض نہین جوہرِ بیداد کو جا　　　نگہِ ناز ہے سُرمہ سے خفا میرے بعد

عرض خود کو کسی پر ظاہر کرنا۔ مطلب یہ ہے کہ جوہرِ بیداد کو اب کوئی جگہ اپنے اظہار کے لیے مناسب نہین معلوم ہوتی۔ لہذا نگہِ ناز نے سرمہ لگانا چھوڑ دیا۔ کیونکہ مین جو تختۂ مشق ستمِ ناز تھا اب باقی نہین رہا۔ اس شعر مین عرض اور جوہر رعایت لفظی کے سبب سے لائے گئے ہین۔ مگر وہ عرض جو جوہر کی ضد ہے عرَض بروزن مرَض برائے مفتوح ہے اور یہ بسکون را ہے۔

ہے جنون اہلِ جنون کے لیے آغوشِ وداع　　　چاک ہوتا ہی گریبان سے جُدا میرے بعد

میرے ساتھ جنونِ عشق دُنیا سے اُٹھ رہا ہے چاکِ گریبان (یعنی گریبان کا پھٹنا) ایک آغوش وا شدۂ وداعی ہے جو گریبان سے میرے بعد جُدا ہوتا ہے۔ حاصل یہ رسمِ جنون اہلِ جنون مین میرے بعد باقی نہ رہے گی۔ اور اب کسی گریبان کو پھٹا ہوا نہ دیکھو گے۔ یہ مضمون تو نہین ہی مگر ایک جگہ مصنف نے کھلے ہوئے پھول کو بھی آغوشِ وداع کہا ہے ؎

آغوشِ گل کشادہ برائے وداع ہے　　　اے عندلیب چل کہ چلے دن بہار کے

کون ہوتا ہے حریفِ مئے مرد افگنِ عشق　　　ہے مکرر لبِ ساقی پہ صلا میرے بعد

ساقی بار بار صلا دیتا ہے۔ اور پکارتا ہے کہ کوئی ہے۔ جو مے مرد افگنِ عشق کا حریف بنے

مگر کون حریف ہوتا ہے - کسی مین یہ ہمت باقی نہین ہے - کہ شراب عشق پیئے - یہ دونون معانی لفظ مکرر سے پیدا ہوتے ہین - کہ ایکبار ساقی بطور سوال یہ مصرعہ پڑھتا ہے اور دوبارہ بطریق مایوسی - اسی مضمون کا ایک شعر مرزا فاخر مکین کا ہے کہتے ہین کہ ؎

زن سیرتان دورِ جہان را خبر کنند ساقی گرفت ساغرِ مرد آزمائے ما

یعنے ساقی ساغر شراب مرد آزما کا ساغر لیے ہوئے کہتا ہے زمانہ کے نامردونکو خبر کردو کہ کوئی ایسا ہے جو اس شراب کو پیئے - زن سیرت -- کہکر یہ فائدہ اُٹھایا ہے کہ زن سیرت مرد آزما ساغر کو نہین پی سکتے - ایک جگہ علامہ فیضی فرماتے ہین ؎

گرد فنا شدند حریفانِ بزمِ عشق بر خاک ریز جرعۂ مرد آزمائے ما

یعنے جو اس شراب مرد آزما کے پینے والے تھے وہ گردِ فنا ہوگئے یعنی خاک مین مل گئے اب کون ہے جو اس شراب کو پی سکے - لہذا کسی سے اسکے پینے کا متوقع نہ رہنا چاہیئے اسے زمین پر ڈالدو - خاک پر ڈالنے سے یہ نزاکت پیدا کی گئی ہے کہ اسکے پینے والے بھی خاک مین ملے ہوئے ہین - اب بھی اگر پیئے گی تو انکی خاک ہی اسکو پی سکے گی - فیضی کا شعر نہایت بلیغ اور نازک ہے -

ایکمرتبہ نظیری بھی اسی راستہ سے ہوکر نکل گئے ہین مگر ذرا بچے بچے فرماتے ہین ؎

کار نظیری در رضا غم خوردن و خوش بودنست دارم مئے مرد آزما خوش باد شیخ و شاب ما

انھون نے رضا کو شراب مرد آزما بتایا ہے -

غم سے مرتا ہون کہ اتنا نہین دُنیا مین کوئی کہ کرے تعزیت مہر و وفا میرے بعد

مین اس غم سے مرا جاتا ہون کہ میرے مرنے پر جو مہر و وفا کو ایک صدمہ عظیم پہونچے گا - کوئی انکا تعزیت کرنیوالا بھی نہین ہے -

آئے ہے بیکسیٔ عشق پہ رونا غالب کس کے گھر جائے گا سیلاب بلا میرے بعد

یہ شعر بھی قریب قریب پہلے شعر کے مضمون سے ملتا ہوا ہے - کہ میرے بعد سیلاب بلا یعنی عشق کس کے گھر جائے گا اسمین بے کسی کے لفظ کی تعریف نہین ہو سکتی - ان دونون شعرون کے مضمون سے ملتا ہوا ایک شعر مومن مرحوم کا ہے جسمین درد کے ساتھ انکی شوخی بیان قابل تعریف ہے ؎

تو کہان جائیگی کچھ اپنا ٹھکانا کر لے ہم تو کل خواب عدم مین شبِ ہجران ہونگے

(ردیف رائے مہملہ ر)

بلا سے ہین جو یہ پیش نظر در و دیوار نگاہِ شوق کو ہین بال و پر در و دیوار

اگرچہ میری نظر کے سامنے در و دیوار ہین اور میرا جانا دیکھنے کو روکتے ہین مگر کچھ پرواہ نہین ہے میری نگاہ شوق کے لیے یہی در و دیوار بال و پر کا کام دینگے اور ضرور میری نگاہ کو وہان پہونچائینگے بال و پر بننے کی یہ وجہ ہے کہ رکاوٹون سے شوق مین اور ترقی ہوگی جناب بے خود دہلوی کا ایک شعر ہے خوب فرمایا ہے ؎

دیکھ لیتی ہین پس پردہ تجھے ہین کچھ ایسی بھی نگاہین خاص خاص

وفور اشک نے کاشانہ کا کیا یہ رنگ کہ ہو گئے میرے دیوار و در در و دیوار

یعنی طوفان اشک نے میرے گھر کو زیر و زبر اور درہم و برہم کر کے یہ رنگ کر دیا ہو کہ جہان دیوارین تھی انکو توڑ کر در بنا دیے اور جہان در تھے وہان مٹی جمکر دیوارین بن گئین

نہین ہے سایہ کہ سُنکر نوید مقدم یار گئے ہین چند قدم پیشتر در و دیوار

جنکو دیوارون کا سایہ سمجھے ہوئے ہو یہ دراصل سایہ نہین ہے بلکہ یار کے آنیکی خوشخبری سُنکر چند قدم در و دیوار استقبال کو گئے ہین -

ہوئی ہے کس قدر ارزانیٔ مئے جلوہ کہ مست ہے ترے کوچہ مین ہر در و دیوار

مئے جلوہ کو تو نے کس قدر ارزان کر دیا ہے کہ در و دیوار تیرے کوچہ مین مستا ہو رہے ہین بظاہر مستی کا کوئی ثبوت نہین معلوم ہوتا - محض ادعا ہے -

جو ہے تجھے سرِ سودائے انتظار تو آ کہ ہین دکانِ متاعِ نظر در و دیوار

اگر تجھے میرے سودائے انتظار کی خریداری کی خواہش ہے تو آ - کیونکہ میری نظرین بجھے

ڈھونڈھنے کے لیے ہر در و دیوار پر پڑ رہی ہین تو کثرت نظر سے در و دیوار دوکان متاع نظر بن گئی ہین۔

وہ آرہا مرے ہمسایہ مین تو سایہ سے   ہوے فدا در و دیوار پر در و دیوار

وہ میرے قریب جو آکر رہا ہے تو میرے مکان کا سایہ اُسکے مکان کے سایہ کی بلائین لیتا ہے (ہمسایہ مین آرہا) اگرچہ زبان عوام ہے مگر صحیح نہین ہوسکتا مُصنّف محض دوسرے مصرع کے سبب سے لکھ گئے ہین۔

نظر مین کھٹکے ہے بن تیرے گھر کی آبادی   ہمیشہ روتے ہین ہم دیکھکر در و دیوار

ہمیشہ بغیر تیرے گھر کی آبادی میری نظر مین کھٹکتی ہے اور اپنے در و دیوار کو دیکھکر میرے آنسو نکل آیا کرتے ہین کسی چیز کے آنکھ مین کھٹکنے سے آنسو نکلنا مسلم ہے معمولی شعر ہے۔

ہجوم گریہ کا سامان کب کیا مین نے   کہ گر پڑے نہ مرے پانون پر در و دیوار

کونسا ایسا دن ہوا ہے کہ مین رو یا اور در و دیوار نہین گرے۔ عجب نہین کہ مُصنّف یہ کہنا چاہتا ہو کہ جب مین نے رونے کا سامان کیا در و دیوار نے خوشامد کی کہ نہ رو ورنہ ہماری خیریت نہین۔

نہ پوچھ بیخودیٔ عیشِ مقدمِ سیلاب   کہ ناچتے ہین پڑے سر بسر در و دیوار

عیش مقدم سیلاب سے میرے گھر کے در و دیوار بیخود ہوکر گر پڑے ہین اور ناچ رہے ہین ظاہر ہے کہ سیلاب مین کوئی چیز کہین کوئی چیز کہین تیرتی ہوئی پھرا کرتی ہے مُصنّف نے ایک شعر اس مضمون کا اور بھی کہا ہے ؎

خانۂ عاشق مگر ساز صداے آب تھا   مقدم سیلاب سے کیا دل نشاط آہنگ ہے

مگر اسمین اور شعر اول الذکر مین یہ فرق ہے کہ وہان مُصنّف اپنے دل کی خوشی کا مقدم سیلاب سے اظہار کرتا ہے اور یہان در و دیوار کا۔ نظم صاحب نے اس شعر کے معنے بھی پہلے شعر کیطرح بیان کیے ہین اور خیال مین کوئی فرق نہین دکھایا۔

نہ کہہ کسی سے کہ غالبؔ نہین زمانے مین   حریف رازِ محبّت مگر در و دیوار

غالبؔ اگرچہ تیرے رموز اور راز محبت کا سننے والا سوائے در و دیوار کے کوئی نہین مگر پھر بھی یہ بات کسی سے نہ کہہ لوگ تجھے دیوانہ خیال کرینگے کہ در و دیوار بھی کہین راز محبّت سنتے ہین یا در و دیوار سے باتین کرنا یہ کوئی عقلمندی ہے یا تجھے اظہارِ راز محبت کا الزام دینگے۔

گھر جب بنا لیا ترے در پر کہے بغیر   جانے گا اب بھی تو نہ مرا گھر کہے بغیر

جب تیرے دروازے پر بغیر تیرے اجازت کے بے حیا ہوکر مین نے گھر بنا لیا تو کیا تو اب بھی میرے گھر کو بتائے بغیر نہ سمجھے گا اور یہ الزام دیتا رہے گا کہ ہمین تیرا گھر ہی نہین ملتا۔

کہتے ہین جب رہی نہ مجھے طاقتِ سخن   جانون کسیکے دل کی مین کیونکر کہے بغیر

یعنے یہ ظلم دیکھئے کہ مجھ مین ضعف سے جب طاقت سخن باقی نہین رہی ہے تب وہ لوگون سے کہتے ہین کہ مین اسکی تمنا پوری کردن تو کیونکر کرون مجھے کسی کے دل کا حال کیا معلوم ہے ایک جگہ نئے انداز سے مصنف اس مضمون کو یون بیان کرتا ہے ؎

سمجھ کے کرتے ہین بازار مین وہ پرسشِ حال   کہ یون کہے کہ سرِ رہگذر ہے کیا کہیے

عجب نہین کہ زمانہ حال کا کوئی شاعر موہوم "سمجھ کے کرتے ہین بازار مین وہ" مین ذم کا پہلو نکالے۔ نعوذ باللہ من شرور انفسنا و من سیات اعمالنا۔

چھوڑونگا مین نہ اُس بت کافر کا پوجنا   چھوڑے نہ خلق گو مجھے کافر کہے بغیر

مین اس بت کافر کا پوجنا نہ چھوڑونگا چاہے خلق مجھے ہمیشہ کافر کہے جائے۔ خسرو علیہ الرحمۃ فرماتے ہین ؎

خلق میگوید کہ خسرو بت پرستی می کند   آرے آرے میکند با خلق و عالم کار نیست

کام اس سے آپڑا ہے کہ جسکا جہان مین   لیوے نہ نام کوئی ستمگر کہے بغیر

تقدیر سے میرا ایسے شخص سے کام پڑا ہے جسکو دنیا مین سبھی ظالم کہتے ہین۔ نظم صاحب لکھتے ہین

لیوے دیوے کھوے دلی کی زبان میں بہت ہے یہ بقاعدۂ صرف بھی غلط ہے
رتر دک بھی لیکن لیوے دیوے ہووے بھی گو قیاساً صحیح ہیں مگر ترک ہوتا جاتا ہے خدا
نے کیا مطلب ہے کہ اسی کو صحیح کہتے ہیں اُسی کو غلط فرماتے ہیں میں کہتا ہوں کہ یہ الفاظ
غ اور آمیر کے زمانے سے متروک ہوے ہیں۔ غالب کے زمانے تک بے تکلف نظم
ے جاتے تھے دوسرے یہ غلط العام فصیح تیسرے یہ کہ محاورہ میں قیاس اور صرف و نحو کا
ل نہیں ہے۔

ی میں ہی کچھ نہیں ہے ہمارے و گرنہ ہم　　　سر جائے یا رہے نہ رہیں پر کہے بغیر

ہم جو دشمنوں کو جواب نہیں دیتے ہیں اس کا یہ سبب نہیں ہے کہ ہم کسی سے دبتے ہیں
کسیکا ہمکو ڈر ہے بلکہ واقعہ یہ ہے کہ ہمارے دل میں کسیکی شکایت ہی نہیں ہے اور ہم
صاف باطن ہیں اگر ایسا نہو تو بلا سے قتل ہی کیوں نہ ہو جائیں مگر کہے بغیر نہ رہیں گے
مولانا ناطق گلاوٹھوی فرماتے ہیں ؎

تی نہیں تو ایک وہی خوے دشمنی　　　ہم ورنہ دشمنوں سے کسی طرح کم نہیں

دوسرا پہلو یہ بھی نکلتا ہے کہ ہمکو معشوق کی صرف اک محبت ہے ہمارے دل میں کوئی
تمنا نہیں ہے اگر کوئی تمنا ہو تو مریں یا جئیں ضرور کہہ گذریں۔

مقصد ہے ناز و غمزہ ولے گفتگو میں کام　　　چلتا نہیں ہے دشنہ و خنجر کہے بغیر

مقصود گرچہ ناز و غمزہ ہے مگر گفتگوے شاعرانہ میں دشنہ اور خنجر کہے بغیر کام نہیں چلتا ہے
یعنے بغیر استعارہ و تشبیہات کے شاعری کا کوئی لطف نہیں۔ ایسی حالت میں
بس شاعر یہی بکنے لگتا ہے ؎

دندان تو جملہ در دہانند　　　دو چشم تو زیر ابروانند

ہر چند ہو مشاہدۂ حق کی گفتگو　　　بنتی نہیں ہے بادہ و ساغر کہے بغیر

چاہے مشاہدۂ حق کی ہی گفتگو کیوں نہو مگر شاعری میں اُنھیں بادہ و ساغر ہی کہنا
پڑتا ہے یہ شعر بھی مثل شعر سابق کے ہے۔

بہرا ہوں میں تو چاہیئے دونا ہو التفات　　　سُنتا نہیں ہوں بات مکرر کہے بغیر

اگر میں بہرا ہوں تو آپکو دونا التفات چاہیئے کیونکہ جب تک بات مکرر نہیں کہی جاتی میں
سُنتا نہیں ہوں۔

اس شعر کی نسبت ایک بزرگ مجھ سے فرماتے تھے کہ آخر میں جب مرزا غالب دربار کی مشاعروں میں
شریک ہونے لگے تھے تو بادشاہ انھیں سے شوری کرتے تھے انکا دستور تھا کہ غزل خود
ولیعہد بہادر سے سُنا کرتے تھے اور جو شعر اچھا ہوتا تھا صرف اسپر داد دیتے تھے ایک مرتبہ
بادشاہ کوئی غزل سُنا رہے تھے کہ اسمیں ایک اچھا شعر پڑھا مگر ادھر سے نہ داد دی گئی
نہ کوئی ہوں ہاں ہوئی کیونکہ مرزا شراب پیئے ہوئے تھے۔ بادشاہ خود سخن سنج اور سخن فہم تھے
یہ بے محل سکوت ناگوار گذرا تیور پر بل پڑا۔ ادھر مرزا بھی ادا شناس تھے۔ تاڑ گئے
دربار میں یہ حکماً جو باتیں کرتے تھے وہ نظم میں ہوتی تھیں۔ لہذا فوراً نظم کر کے فرمایا ؎

بہرا ہوں میں تو چاہیئے دونا ہو التفات　　　سنتا نہیں ہوں بات مکرر کہے بغیر

شاہ عالم پناہ مسکرائے دوبارہ شعر پڑھا۔ اور حسب دلخواہ داد لی۔ خدا جانے کہاں تک
صحیح ہے کہاں تک غلط ہے۔ ہاں البتہ مقطع یہ ضرور بتاتا ہے کہ یہ غزل دربار میں پڑھی
گئی ہے۔

غالب نکر حضور میں تو بار بار عرض　　　ظاہر ہے تیرا حال سب اُنپر کہے بغیر

دیکھئے اپنے حال کو کس صفائی سے عرض کیا ہے۔ یہ بھی ایک معنوی خوبی ہے۔ ایسے
ہی ایک جگہ شکریہ کا نیا پہلو ہے ؎

غالب وظیفہ خوار ہو دو شاہ کو دعا　　　وہ دن گئے کہ کہتے تھے نوکر نہیں ہوں میں

کیوں جل گیا نہ تاب رُخ یار دیکھکر　　　جلتا ہوں اپنی طاقت دیدار دیکھکر

کیا اچھا ہوتا کہ رُخ یار کی تاب دیکھکر میں جل جاتا کہ مجھکو یہ صدمے نہ اُٹھانے پڑتے میں
اپنی طاقت دیدار سے جل رہا ہوں کہ اس نے اسکے جمال جہان سوز کو دیکھ لیا اور میں
جل نہ گیا۔ یا یہ کہ انتہاے رشک کی حالت بیان کی گئی ہے۔ کہ میری آنکھوں نے اسکو

کیون دیکھا مین جل کیون نہ گیا۔ آخری مضمون کا مرزا نے دو تین جگہ اعادہ کیا ہے ایک جگہ فرماتے ہین کہ ؎

دیکھنا قسمت کہ آپ اپنے پہ رشک آجائے ہے
مین اُسے دیکھون بھلا کب مجھ سے دیکھا جائے ہے

یا ؎۔ تکلف بر طرف نظارگی مین بھی سہی لیکن
وہ دیکھا جائے کب یہ ظلم دیکھا جائے ہے مجھ سے

آتش پرست کہتے ہین اہل جہان مجھے
سرگرم نالہائے شرر بار دیکھکر

جسکہ مین رات دن آتشین نالے کرتا ہون اس لحاظ سے لوگ مجھے آتش پرست کہنے لگے حالانکہ مین آتش پرست نہین ہون ایک جگہ کہتے ہین ؎

خواہش کو احمقون نے پرستش دیا قرار
کیا پوجتا ہون اُس بت بیداد گر کو مین

کیا آبروے عشق جہان عام ہو جفا
رُکتا ہون تم کو بے سبب آزار دیکھکر

آپ بے سبب آزار ہین اسواسطے مین اب اپنے آپکو آپ کے عشق سے روکتا ہون۔ کیونکہ مین تو عاشق ہون مجھ پر تو یون جفائین کرتے ہو۔ مگر رقیب جو عاشق نہین ہے تم اُسپر بھی میری طرح ظلم کرتے ہو جو بالکل بے سبب ہے لہذا مین اجتناب کرتا ہون کہ عاشق اور بوالہوس مین اسطرح سے کوئی فرق باقی نہین رہتا۔ اور میرے عشق کی آبرو پر دھبہ آتا ہے ایک جگہ نواب مصطفےٰ خان شیفتہ مرحوم بالکل یہی مضمون نہایت درد انگیز لہجہ مین فرماتے ہین ؎

کس توقع پہ جئین شیفتہ مایوس کہ ہم
غیر پر بھی ستم یار کی افواہین ہین

نواب مرزا داغ فرماتے ہین ؎

شرکت غم بھی نہین چاہتی غیرت میری
غیر کی ہو کے رہے یا شب فرقت میری

واحسرتا کہ یار نے کھینچا ستم سے ہاتھ
ہمکو حریص لذّت آزار دیکھ کر

افسوس صد افسوس یار نے ظلم سے بھی ہاتھ اٹھالیا۔ کہ مجھکو حریص لذت آزار دیکھا اور اب مین اس سے بھی محروم ہون۔ ایک شعر پہلے اسی قسم کا لکھا جاچکا ہے ؎

اب جفا سے بھی ہین محروم ہم اللہ اللہ
اس قدر دشمن ارباب وفا ہو جانا

ثابت ہوا ہے گردن مینا پہ خون خلق
لرزے ہے موج مے تری رفتار دیکھکر

موج مے تیری رفتار مستانہ دیکھکر لرز رہی ہے کہ اس سے ایک عالم کے دل پامال ہونگے۔ اور یہ سب خون گردن مینا پر ثابت ہونگے۔ کیونکہ شراب پیکر تیری رفتار ایسی ہوئی ہے۔ اس شعر کا مطلب لکھنے کے ساتھ ہی ایک شعر معما مجھے یاد آیا۔ جسے شاید حافظ نے بچپن کے زمانہ سے جب یہ سُنا ہوگا شاید آج ہی کے لیے امانت کیطرح رکھ چھوڑا تھا۔ معمّا یہ ہے ؎

مگس کو باغ مین جانے نہ دینا
کہ ناحق خون پروانہ کا ہوگا

یعنے شہد کی مکھی کو باغ مین نہ جانے دینا۔ وہان وہ چھتہ لگائیگی اس سے موم نکلے گا اور موم سے شمع بنے گی اور وہ جلے گی جسپر پروانہ اپنی جان نثار کرے گا۔

آتا ہے میرے قتل کو پر جوش رشک سے
مرتا ہون اُسکے ہاتھ مین تلوار دیکھ کر

میرے قتل کو نہایت جوش وخروش سے آتا ہے اور تلوار ہاتھ مین لیے ہے مگر مین رشک سے مرا جاتا ہون کہ تلوار کی اُسکے ہاتھ تک کیون رسائی ہوئی۔

بک جاتے ہین ہم آپ متاع سخن کے ساتھ
لیکن عیار طبع خریدار دیکھکر

ہم اپنے متاع سخن کے خریدار کے ساتھ خود بک جاتے ہین لیکن اُس حالت مین جب اُسکی طبیعت کا اندازہ کرلیتے ہین مطلب یہ کہ جو میری شاعری کی قدر دانی کرتا ہی مین بھی اُسکی قدر کرتا ہون مگر اُسکی طبیعت کا اندازہ کرنے کے بعد۔ اور بک جانیکی وجہ یہ ہے کہ میرے کلام کا جو شخص خریدار ہے وہ یقیناً ذوق صحیح رکھتا ہے۔

زنار باندھ سبحۂ صد دانہ توڑ ڈال
رہرو چلے ہے راہ کو ہموار دیکھ کر

تسبیح اور زنار دونون ایک ہی منزل پر پہونچنے کے رستہ ہین مگر فرق یہ ہے کہ زنار کی راہ ہموار ہے اور تسبیح کی راہ مین نشیب و فراز ہونے کی وجہ سے ٹھوکرین کھانی پڑتی ہین لہذا زنار پہن لے اور تسبیح کو توڑ ڈال ہموار رستہ پر مسافر چلا کرتے ہین۔ شعرا عام طریقہ سے زنار کو تسبیح پر ترجیح دیتے ہین کعبہ پر بتخانہ وغیرہ کو فوقیت دیجاتی ہے اور یہ صرف

61

اسوجہ سے ہے کہ اُنھون نے اپنی اصطلاح مین اُنھین چیزونکے جنکے ستھوِنا مونکی بُرائیان کرتے ہاین یہ نام رکھ لیے ہاین۔ ورنہ دراصل نہ کوئی کعبہ اور تسبیح و مصلے کے خلاف ہے نہ بتخانہ وغیرہ کا معتقد ہے انکے برعکس نام رکھنے کی وجہ معلوم نہین کیا ہے۔

ان آبلون سے پانؤنکے گھبرا گیا تھا مین　　جی خوش ہوا ہے راہ کو پُرخار دیکھ کر

ان (اسم اشارہ) عمداً لایا گیا ہے جسنے یہ فائدہ دیا ہے کہ گویا آبلو نکی شکایت کرنے والا طالب اپنے پانؤن کے آبلے دکھارہا ہے اور کہتا ہے کہ ان سے گھبرا گیا تھا۔ مگر ورا پُرخار جنگل دیکھکر میرا جی خوش ہوا ہے۔ کہ یہ سب پھوٹ جائین گے

کیا بدگمان ہے مجھ سے کہ آئینہ مین مرے　　طوطی کا عکس سمجھے ہے زنگار دیکھکر

وہ مجھ سے کتنا بدگمان ہے کہ میرے آئینہ مین جو زنگ لگا ہوا ہے (یعنے میرا دل جو غمون سے مکدر ہے اُسکو زنگ نہین سمجھتا۔ بلکہ طوطی سمجھتا ہے (یعنی سمجھتا ہو کہ اسے کسی دوسری چیز کی بھی میرے سواے محبت ہے) ایک جگہ فرمایا ہے ؎

بدگمان ہوتا ہے وہ کافر نہوتا کاش کے　　اس قدر ذوق نواے مُرغ بستانی مجھے

مگر پہلے شعر مین اور اسمین فرق یہ ہے کہ وہان مصنف محض بدگمانی معشوق کا اظہار کرتا ہے اور خود کو طوطی پالنے سے بری الذمہ ثابت کرتا ہے۔ دوسرے مین اپنے شوق کو نفرین کرتا ہے اسمین دوسرا پہلو معانی کا یہ بھی نکلتا ہے کہ زنگار آئینہ سے طوطی کے چھپا دینے کی بدگمانی کرتا ہے۔ اس لیے کہ طوطی کو آئینہ کے پیچھے رکھتے ہین اور پڑھانے ہین تو یہان بھی معشوق بدگمان سمجھتا ہے کہ اسنے میری گفتگو کا جربہ اُتارنے اور سکھانے کے لیے طوطی کو آئینہ کے پیچھے چھپا رکھا ہے اور ظاہر ایہ بدگمانی کی وجہ ہے ظاہر ہے کہ طوطی وہی باتین جو آئینہ کے پیچھے بیٹھنے والا آدمی کہتا ہے کرنے لگتا ہو جیسے کہنے والا اس شعر مین احکام مرقومہ ازل کے اظہار کی تشبیہ دیکر کہتا ہے ؎

در پس آئینہ طوطی صفتم داشتہ اند　　آنچہ اُستاد ازل گفت ہمان میگویم

گرنی تھی ہم پہ برق تجلی نہ طور پر　　دیتے ہین بادہ ظرف قدح خوار دیکھ کر

کہتا ہے کہ طور گویا ایک سبحوا تنگ ظرف تھا جو نشئہ شراب برق تجلی کا متحمل نہین ہو سکتا تھا لہذا چاہیئے تھا کہ برق طور ہم پر گرتی۔ ہمارا ظرف ایسا تھا کہ ہم اُسکو ضبط کر سکتے۔ غالب کا یہ شعر مقبول ہے اور فی الواقع تعریف سے مستغنی ہے۔ اس قوت اور مشق کا مصرع لگانا غالب ہی کا کام تھا۔ عرفی نے ایک جگہ اس مضمون کو اس سے بھی ایک درجہ بڑھا کر کہا ہی فرماتے ہین ؎

نہ کوتہی ز عطا بود و عشق میداند　　کہ بر کرشمۂ ما تنگ بود خلعت طور

یعنے عطا نے ہمارے ساتھ کوتاہی نہین کی تھی اُسنے اپنے نزدیک ہمکو خلعت موزون دیا تھا مگر ہمارا عشق جانتا ہے اور اسیات کا گواہ ہے۔ کہ دربار عطا سے جو ہمکو خلعت طور عنایت ہوا وہ ہمارے کرشمہ اور ہمارے حال پر تنگ تھا۔ یعنی ہم برق طور سے بھی کچھ زیادہ کرنا چاہیئے تھا۔

سر پھوڑنا وہ غالب شوریدہ حال کا　　یاد آگیا مجھے تری دیوار دیکھ کر

تیری دیوار دیکھکر غالب مجنون کا سر پھوڑنا مجھے یاد آگیا بہ لحاظ بندش کے یہ شعر بے مثل ہو۔ دوسری جگہ فرمایا ہے ؎

مر گیا پھوڑ کے سر غالب وحشی ہے ہے　　بیٹھنا اُسکا وہ آکر تری دیوار کے پاس

لرزتا ہی مرا دل زحمت مہر درخشان پر　　مین ہون وہ قطرۂ شبنم جو ہو خار بیابان پر

مین وہ ایک قطرۂ شبنم ہون جو نوک خار پر ہو۔ اور میرے جذب کرنے کو آفتاب نے زحمت کی ہر میرا دل اُسکی تکلیف پر کڑھتا ہے کہ ایسے ناچیز قطرہ کے لیے جسکا فنا ہو جانا اک امر یقینی تھا اُس نے ناحق تکلیف کی۔ دل کا لرزنا اسلیے کہا گیا کہ آفتاب بھی صبح کو کانپتا ہوا نکلتا ہے

نہ چھوڑی حضرت یوسف نے یان بھی خانہ آرائی　　سفیدی دیدۂ یعقوب کی پھرتی ہو زندان پر

یان بھی سے پتہ چلتا ہے کہ قید مین اُنکو خانہ آرائی چھوڑ دینی چاہیئے تھی مگر حسن تکلفات سے کسی جگہ باز نہین رہتا۔ قید خانے پر پھیرنے کے لیے دیدہ یعقوب کا نور لیا گیا ہے پھرتی ہو ایک ذو معنے لفظ ہے جس سے گردش کرنے اور ڈھونڈھنے کے معنے بھی مفہوم ہوتے ہین

تلمیح ظاہر ہے کہ یعقوب علیہ السلام کی آنکھیں روتے روتے بے نور ہوگئیں تھیں۔

فنا تعلیم درس بیخودی ہون اُس زمانہ سے   کہ مجنون لام الف لکھتا تھا دیوار دبستان پر

مین بیخودی عشق سے اُس زمانہ سے تعلیم فنا حاصل کرتا ہون کہ مجنون اُسوقت تک طفل مکتب تھا اور دیوارون پر لکیرین کھینچتا تھا۔ لام الف لکھنے سے دو باتین سمجھ مین آتی ہین یعنی وہ لا لکھتا تھا جسکا مفہوم یہ ہے کہ اُسوقت تک وہ نیستی کی مشق کرتا تھا یا یہ کہ وہ لیلا پورا نہ لکھ سکتا تھا یعنی ہنوز اُسکو لیلی کا عشق کامل نہ ہوا تھا۔

فنا تعلیم درس بیخودی۔ مصنف کی تراشی ہوئی ترکیب ہے۔ اور یہ ایسی ہی ہے جیسے یک الف بیش وغیرہ یہ مرزا بیدل مرحوم کا اتباع ہے۔ جنکی نسبت آزاد مرحوم نے خزانۂ عامرہ مین یہ لکھا ہے

میرزا در زبان فارسی چیزہائے غریب اختراع نمودہ کہ اہل محاورہ قبول ندارند بلے قرآن کہ کلام خالق السنہ است سر رشتۂ موافقت زبان در دست دارد۔ اگر اختراعی خلاف زبان میداشت فصحائے عرب قبول نمیکردند۔ غیر فارسی کہ تقلید زبان فارسی کند بے موافقت اصل چگونہ مقبول اہل محاورہ تواند شد۔

آنا خان آرزو در مجمع النفائس گوید کہ چون مرزا از راہ قدرت تصرفات نمایان در فارسی نمودہ مردم ولایت وکاسہ لیسان اینہا کہ از اہل ہند اند در کلام آن بزرگوار سخنہا دارند و فقیر در صحت تصرف صاحب قدرتان ہند ہیچ سخن ندارد۔ بلکہ قائل است چنانچہ در رسالہ داد سخن بہ براہین ثابت نمودہ ہر چند خود تصرف نمی کند۔

یہان تک تو مین نے جو کچھ لکھا مرزا کی فارسی تراکیب کے لیے لکھا۔ کہ انکی صحت مین کلام نہین ہے۔ کیونکہ یہ اظہر من الشمس ہے کہ غالب مرحوم فارسی زبان مین صاحب قدرت تھے اسکے ساتھ ہی مین یہ بھی ضرور کہونگا۔ کہ آج جو اہل دہلی و لکھنؤ یہ کہتے ہین کہ ہمارے محاورات کے سوائے دوسرے شہرونکے محاورات اور ہماری زبان کے سوائے دوسری جگہ کی زبانین نامقبول ہین یہ کہانتک صحیح ہے۔ تعجب ہے کہ ایران کی زبان کے محاورات مین تصرف ایک قادر الکلام فارسی گو ہندی شاعر کے یہان غیر مقبول ہو اور ہندوستانی الفاظ ہندوستان ہی مین مردود ہو جائین۔ آج اگر غور کیا جائے تو لکھنؤ دہلی میرٹھ مراد آباد علیگڈھ بلند شہر آگرہ وغیرہ کی زبانون مین بہت کم فرق باقی رہ گیا ہے اور اُردو کی

ترقی نے ان سب شہرون کی زبانونکو مماثل بنا دیا ہے۔ اور سوائے چند بیگمات کے محاورونکے (جن سے غالبًا شعراء کو کبھی کام نہین پڑتا) کچھ دہلی اور لکھنؤ کے خزانہ مین باقی نہین رہا ہے مگر پدرم سلطان بود پر عمل کیا جاتا ہے۔ اور اتنک دنیا کی زبان کو غلط سمجھا جاتا ہے یہ اگر ناانصافی نہین ہے تو اسکو انصاف سے تعبیر کرتے ہوئے بھی شرم آتی ہے۔ حالانکہ ابتک جتنے مستند شعراء ریختہ گو گذرے ہین اون مین سے اکثر باہر کے رہنے والے تھے۔ مثلاً غالب آگرہ۔ اور مصحفی امروہہ۔ میر تقی میر آگرہ۔ میرزا جان جان۔ مظہر دکھنی۔ مرزا رفیع السودا کے باپ کابلی۔ جرأت کے بزرگ اکبر آبادی۔ انشاء اللہ خان کشمیری النسل شیخ ناسخ کے والد کا وطن لاہور۔ آتش مصحفی امروہی کے شاگرد۔ مولوی عبد الرحمن راسخ جھنجانہ ضلع مظفرنگر کے۔ اسیر مرحوم امیٹھی کے بیان مرحوم میرٹھ۔ خواجہ بقاء اللہ خان بقا الہ آباد کے رہنے والے تھے۔ دیہات یا دوسرے شہرون سے لکھنؤ اور دلی مین آئے سب نے انکی زبانونکو مستند ہی نہین سمجھا بلکہ انکا اتباع کیا۔ آتش جنکی آتش بیانی کا آجتک شہرہ ہے۔ لکھنوی ہونے کی حیثیت سے ہجو مین دیگرے نسبت پر عمل کرتے تو کبھی ایک دیہاتی کے حلقہ تلامذہ مین داخل نہوتے۔ اسکے سوائے دہلی اور لکھنؤ دونون مین بہت سے الفاظ غلط بولے جاتے ہین۔ اگر کوئی باہر کا رہنے والا اُنکے مقابلہ مین صحیح الفاظ بولتا ہے تو اُسکا مزاح کیا جاتا ہے اور وہ غلطی اور اُلٹی اُسی کے سر رکھدی جاتی ہے۔ کیون اسلیے کہ دہلی اردو کی زاد بوم ہے اور لکھنؤ مین دہلی کے اُجڑنے کے بعد اہل کمال کے جمگھٹے رہے ادھر لکھنؤ اور دلی کی سرحد سے کوئی باہر نکلا ادھر اسیر زبان کی لاعلمی کا الزام لگایا گیا اس کے ساتھ ہی ایک لطف اور دیکھئے کہ وہی دیہاتی جسپر آوازے کسے جاتے ہین۔ جو کچھ لکھ گئے ہین انھین سے سند پیش کیجاتی ہین۔ مثال کے طور پر ہم مولانا حالی اور شبلی رح کی تصانیف کو پیش کرتے ہین حالی پانی پت کے رہنے والے تھے شبلی اعظم گڈھ کے باشندے تھے آزاد نے اپنی عمر کا زیادہ حصہ لاہور مین گذارا مولانا نذیر احمد نے بجنور کے ضلع مین ہوش سنبھالا۔ پھر ان کی زبان کو مستند کیون مان لیا گیا کچھ سمجھ مین نہین آتا۔

ایران مین شیراز گویا دلی ہے اور وہان کی زبان مستند ہے۔ مگر آجتک کسی نے یہ نہین بتایا کہ نظامی جو گنجہ کے خاقانی شروان کے۔ ظہوری ترشیز کے فردوسی طوس کے مولانا جامی جام کے نظیری نیشاپور کے رہنے والے تھے انکو استادی کا خطاب کس بنا پر دیا گیا اور ان کی زبان

63

مستند کیون مانی گئی درآن حالیکہ انکے مساکن اور انکی زاد بوم دیہات اور قصبون سے زیادہ وقیع نہ تھے۔

سعدی شیراز کے رہنے والے تھے۔ مگر جب سلطان محمد قاآن حاکم ملتان نے انکو ہندمین بلایا تو باوجود اہل زبان اور مستند ہونے کے اُنھون نے کیون لکھدیا کہ امیر خسرو کو میری جگہ دیکھ لو ظاہراً کوئی بات انصاف کے سوائے ایسی نہین تھی کہ سعدی کو اس جواب کے دینے پر مجبور کرتی خیال یہ تھا کہ زبان کسی خاص شہر اور جگہ کا حصہ نہین ہے بلکہ جسکو خدا دے ان لوگون کی زبان صاف دیکھی انصاف پسند دل نے مستند سارٹیفکٹ دینے پر مجبور کردیا عرب کو لیجئے وہان خانہ بدوش قومون کی زبان مستند مانی جاتی ہے شہرون کی زبان اس لیے مستند نہین سمجھی جاتی کہ باہر کے لوگ وہان تجارت کے لیے آتے جاتے ہین۔ اسی کلیہ کو دیکھتے ہوئے ہم کہہ سکتے ہین کہ شاہی زمانے مین بہت سے اُمراء کو جاگیرین ملی ہین اور انھون نے پرگنہ اور قصبہ آباد کیے ہین اور شریف خاندان وہان رہے ہین۔ اُنکے گھرانے آجتک موجود ہین انکی طرز معاشرت اُنکی زبان وہی نسلاً بعد نسلاً چلی آتی ہے۔ اُنکی تعلیم و تربیت شہرون سے اچھی۔ مگر جب شہر والے زبان کا ذکر سُنتے ہین کہدیتے ہین کہ یہ تو ہمارا حصہ ہے۔ یہ آخر کیون کہا جاسکتا ہے کہ یہان یعنی اردو مین قضیہ منعکس ہے مگر اس سے دوسرونکی زبان غیر مستند نہین ہوتی۔ شاعری کے لحاظ سے دہلی مٹ چکی۔ لکھنؤ مین چند چراغ ہین جو جھلملاتے نظر آتے ہین چند آفتاب ہین جو لب بام ہین۔ الفاظ کی تراش خراش بند ہو گئی۔ ترقی تعلیم نے سب جگہ اپنا اثر دکھا رکھا ہے پُرانے محاورات جو لکھنؤ اور دلی کو متقدمین سے ملے تھے ہندوستان بھر کے شہرون مین پھیل چکے مشاعرے ہونے بند ہو گئے یا کم از کم ہو گئے۔ چھوٹے چھوٹے شہرون اور قصبون مین زبان اردو کی ترقی کے لیے مشاعرے منعقد ہونے لگے۔ ہندوستان کے مشہور شاعرون سے اُنکے تبادلہ خیالات ہوتے ہین۔ ترقی زبان کے لیے انجمنین قائم ہین۔ مگر جب اُنھین قصباتی یا دیہاتی لوگون مین سے کوئی لکھنؤ یا دلی کے مشاعرون مین غزل پہلو بہ پہلو پڑھتا ہے۔ تو غزل کے مضامین کیسے ہی اعلیٰ اور جذبات کتنے ہی موثر اور دلکش ہون۔ مگر ضد سے اپنی وضع پر قائم رہنے کے لیے ماتھے پر شکن ڈالنا فرض سمجھ رکھا ہے۔ یاد رہے کہ یہ انصاف کا خون کرنا ہے۔ ان زبردستیون سے کام نہین چلتا زمانہ سمجھ چکا ہے کہ ان لوگونکے پاس جو زبان کا وظیفہ دن رات رٹ رہے ہین۔

سوائے اس زبان کے جس سے دُنیا کو بُرا کہا جاتا ہے کچھ باقی نہین ہے۔

اب شاعری کا موازنہ کیجئے تو ہنسی آتی ہے ادھر یہ لوگ فخر کے ساتھ کہتے ہین کہ شاعری ہمارا حصہ ہے زبان ہماری لونڈی ہے۔ ہمارے یہان کے جاہل گنوار دیہاتی اور دوسرے شہر کے تعلیم یافتون سے کچھ اچھا کہہ لیتے ہین۔ اُدھر وہ لوگ جب اُن کے خیالات کو سُنتے ہین تو غریبونکو منھ مین رومال دیکر ہنسنے کے سوائے کچھ بن نہین پڑتا۔

دہلی کی حالت یہ ہے کہ وہان تو سادگی زبان کے سوائے نہ جذبات سے کام نہ مضمون آفرینی سے غرض۔ لکھنؤ کی کیفیت کہ رونے کے سوائے دوسرا کام ہی باقی نہین رہا۔ نہ زبان سے غرض نہ اصلی اور دلی جذبات سے مطلب وہی ہیر پھیر کرنے کے مضمون لکھے جاتے ہین۔ یا قید۔ آشیانے کا جلنا اُجڑنا نزع کی سختیان پیش نظر رہتی ہین۔

زبان کے اصول مین سے ایک اصول یہ بھی ہے کہ کسی چیز کو کسی چیز سے مشابہ دیکھ کر نام رکھے گئے ہین۔ اور یہ قاعدہ عربی فارسی۔ اردو مین عام ہے۔ تو اسمین اگر ایک شہر کے باشندے کسی شئے کو کسی شئے سے مشابہ پاکر کوئی اُس نام کے سوائے (جو اہل لکھنؤ یا دہلی نے رکھا ہے) دوسرا نام رکھے ہوئے ہین تو اُسے اگر آپ اپنے یہان کا نام موجود ہونے کی وجہ سے زبان پر لانا گناہ سمجھین۔ تو دوسرے کو وہ نام جو اُس نے کسی خاص مناسبت سے رکھا ہے اور اسمین کوئی قباحت نہین ہے زبان پر لاتے ہوئے دیکھکر آپکو غلط کہنے کا کیا حق ہے مثال کے طریقہ پر لیجئے۔ بڑی جوار (مکئی) کی بالی کو لکھنؤ اور دلی مین بھُٹّا کہتے ہین اور یہ اسوجہ سے کہ بھُٹّا۔ گردن کو کہتے ہین چونکہ گردن اوپر ہوتی ہے اور بالی بھی درخت کے اوپر نکلتی ہے اسواسطے تشبیہ بہ ادنے ملابست کا قانون جاری کرکے اسکو اس نام سے مشابہ کیا گیا۔ مگر میرٹھ کے ضلع کے بعض قصبات مین اسکو گگڑی کہتے ہین اور گگڑی شہد کے چھتہ کو بھی کہتے ہین۔ چونکہ اُسمین اسکی پوری مشابہت ہے اسواسطے اُنھون نے اس کا وہ نام رکھ لیا۔ اب اگر لکھنؤ مین بھُٹے کو کوئی گگڑی کہے تو قائل کو غلط گو کا خطاب کیون دیا جائے۔ اُنھون نے بھُٹا چھوٹی جوار کی بالی کا نام رکھا ہے اس لیے کہ اُسمین پوری مشابہت گردن کی ہے۔

پانی کے ظرف کو گھڑا کہتے ہین۔ اگر بعض جگہ اسکو تھال کہتے ہین۔ یہ لفظ تال سے بگڑکر اس صورت مین آگیا ہے جسکے معنے آلاب کے ہین۔ پھر اسکو غلط کیون کہا جائے۔

شہر کا محاورہ گلو اور نیم چڑھی ہے۔ مگر اکثر قصبات میں کریلا نیم چڑھا کہتے ہیں حالانکہ گلو اور کریلا دونوں کڑوے ہیں۔

مرغے کی ایک ٹانگ شہر کا محاورہ ہے۔ مگر بعض جگہ اسی محل پر مرغے کی تین ٹانگ کہا جاتا ہے۔ حالانکہ جو محاورہ کے وضع ہونے کا مقصد ہے وہ دونوں میں موجود ہے بعض الفاظ قصبات و دیہات میں ایسے مستعمل ہیں جو فارسی ہیں اور جانبین میں سے یہ کوئی نہیں سمجھتا کہ یہ لفظ غیر زبان کا ہے۔ مگر جب کوئی قصبائی وہ لفظ استعمال کرتا ہے تو غلط سمجھا جاتا ہے۔ مثالاً لیجئے۔ کنڈا۔ اسکو اکثر جگہ اُپلہ کہا جاتا ہے مگر بولنے والے اسکو ہندی سمجھکر بولتے ہیں اور غلط کہنے والے بے سوچے سمجھے غلط کہدیتے ہیں میرا مطلب اس سب فضول تحریر سے نہ دہلی پر اعتراض کرنا ہے نہ لکھنؤ پر بلکہ کہنا صرف یہ چاہتا ہوں کہ اگر کسی لفظ کو آپ اپنے نزدیک فصیح نہ سمجھیں تو خیر آپ کی خوشی مگر غلط کہدینے کا مجاز آپکو نہیں ہے۔ آج زبان اُردو کی اسقدر ترقی کے بعد یہ حق باقی نہیں رہا ہے کہ ہندوستان بھر کی زبان لکھنؤ اور دہلی کے محاورات اور زبان کی غلامی کرے۔

فراغت کسقدر رہتی مجھے تشویشِ مرہم سے بہم گر صلح کرتے پارہائے دل نمکدان پر

مرہم کی تشویش سے میں آزاد اور فارغ البال رہتا اور اسکی جستجو میں دربدر ٹھوکرین کھانی نہ پڑتین اگر میرے دل کے ٹکڑے نمک چھڑکنے کی ایذا پر راضی اور خوش رہتے گویا ایک عاشق کے لیے جستجوئے مرہم نمک کے ہوتے باعث ننگ ہے پھر بھی پہلو نکلتا ہے کہ میرا قایل جو میرے پارہ ہائے دل پر نمک چھڑکتا ہے تو اس سے دل کے ٹکڑوں کو وہ لذت حاصل ہوتی ہے کہ آپس میں لڑتے جھگڑتے ہیں اسوجہ سے اب میں اس فتنے کے دبانے اور اس فساد کے مٹانے پر مجبور ہوں اور چاہتا ہوں کہ اس پر مرہم لگا دوں تاکہ یہ سب اس لذت سے محروم ہو جائیں کاش ان ٹکڑوں میں باہمی نفاق ہوتا جتنا جتنا نمک جسکے حصہ میں آیا تھا اسی پر راضی رہتے تو مجھے مرہم کے ڈھونڈھنے کی زحمت نہ اُٹھانی پڑتی۔

نہین اقلیمِ اُلفت میں کوئی طومارِ ناز ایسا کہ پشتِ چشم سے جسکے نہووے مہر عنوان پر

طومار۔ دفتر۔ پشت چشم۔ اغماض۔ چشم پوشی۔ عنوان۔ سرنامہ یعنی محبت کی ولایت

اور قلمرو میں کوئی دفتر اور کوئی فرمان ایسا نہین ہے جسپر معشوق کی اغماض اور بے پروائی کی مہر نہو یعنی معشوقوں کے ناز کے ساتھ ہی اغماض اور آنکھین پھیر لینا بھی پایا جاتا ہے گویا ادھر عاشق کا ناز و ادا سے دل لیا اور ادھر آنکھین پھیرین لفظ عنوان اس لئے صرف کیا گیا ہے کہ عنوان ابتدا ہی میں ہوتا ہے اور اس سے معشوق کی فوری بیوفائی کا اظہار مقصود ہے جیسی بندش سُست ہے ویسا ہی مضمون و تشبیہ نئی اور چُست ہے۔

مجھے اب دیکھکر ابرِ شفق آلودہ یاد آیا کہ فرصت میں تری آتش برستی تھی گلستان پر

یعنی میں باغ میں گیا اور پھُولی ہوئی شفق سے میں سمجھا کہ یہ زینت گلشن ہے مگر اب سمجھا کہ وہ شفق نہ تھی بلکہ تیری جُدائی میں باغ پر آگ برس رہی تھی۔

بجز پروازِ شوقِ ناز کیا باقی رہا ہوگا قیامت اک ہوائے تند ہے خاکِ شہیدان پر

سوائے پرواز شوق یار کے شہیدان وفا کی خاک میں کچھ باقی نہین رہا ہے قیامت جسکا کام مردونکا زندہ کرنا ہے۔ اور شہیدان وفا کو تو کیا اور کیونکر زندہ کریگی کیونکہ وہان شوق ناز معشوق کے سوائے کچھ باقی ہی نہین ہے البتہ اسی پرواز شوق کو برانگیختہ کر دیگی یا خاک کے معنے۔ قبر کے لیجئے۔ جس سے یہ مفہوم ہوتا ہے کہ شہیدان وفا میں شوق ناز یعنی عشق معشوق نے یہانتک اثر کیا تھا اور وہ اسقدر اس سے متاثر ہوئے تھے کہ سراپا عشق ہو چلے تھے تو اب قیامت جو انکے جلانے کے لیے آئی ہے یہ سوائے اسکے کہ اُس عشق کو اور برانگیختہ کردے اور ہوائے تند بنکر اس خاک کو جو امتداد زمانہ کی وجہ سے سراپا شوق بنگئی ہے تیزی کے ساتھ اُڑائے اور کیا کریگی۔ باقی رہا ہوگا ایک احتمالی جملہ ہے جس سے یہ معنے پیدا ہوتے ہین کہ وہ پہلے ہی ایسے تھے تو اب اس امتداد زمانہ سے تو انکی ضرور یہ کیفیت ہوگئی ہوگی۔ لفظ پرواز نے شعر کو معمہ بنا دیا ہے۔

نہ لڑ ناصح سے غالب کیا ہوا گر اُسنے شدت کی ہمارا بھی تو آخر زور چلتا ہے گریبان پر

غالب ناصح کی شدت پر تو اُس سے کیون لڑتا ہے اُس سے لڑنے سے کیا فائدہ۔ ہمارا بھی تو گریبان پر زور چلتا ہے اسکو پھاڑ ڈالو۔ یہ مطلب بھی اس سے نکلتا ہے کہ ناصح کی نصیحت سُنکر

ہمارا جی چاہتا ہے کہ اپنے کپڑے پھاڑ ڈالین —

ہے بسکہ ہر اک اُنکے اشارے مین نشان اور   کرتے ہین محبت تو گذرتا ہے گمان اور

چونکہ اُنکے ہر اک اشارے مین نئی نئی باتین نکلتی ہین تو وہ اگر محبت بھی کرتے ہین تو اور گمان گذرتا ہے یعنے ہم سمجھتے ہین کہ یہ سب ازراہ فریب ہے اور ہمین بناتے ہین ۔ حاصل یہ ہے کہ اُنکے ظلم و فریب اسقدر حد سے گذر گئے ہین کہ وفا پر بھی جفا کا خیال ہوتا ہے ایک شعر بیخود دہلوی مد ظلہ کا ہے جسمین نہایت اچھی طرح سے زمانے کے پیرایہ مین اس خیال کا اظہار کیا گیا ہے

وہین بیٹھے رہو بس دور ہی سے بات کرتے ہین   جفا کیسی وفا سے بھی تمھاری ہم تو ڈرتے ہین

یارب وہ نہ سمجھے ہین نہ سمجھین گے مری بات   دے اور دل اُنکو جو نہ دے مجھکو زبان اور

میری زبان سے معشوق ۔ یا ضعف کی وجہ سے میرے دل کا مطلب ادا نہین ہو سکتا اور وہ ایسا بے پرواہ ہے کہ میرے حال کو کچھ نہین سکتا ۔ تو اے خدا یا اُس سنگدل کو اور دل دیدے یا مجھے زبان اور دیدے کہ یا وہ میری حالت کا اندازہ کرے ۔ یا مین اپنا حال ظاہر کر سکون ۔ ایک اور شعر ہے جسمین محض ضعف کا اظہار مقصود ہے

ادھر وہ بدگمانی ہے ادھر یہ ناتوانی ہے   نہ پوچھا جائے ہے اُس سے نہ بولا جائے ہے مجھ سے

ابرو سے ہے کیا اُس نگہ ناز کو پیوند   ہے تیر مقرر مگر اُسکی ہے کمان اور

نگہ ناز ایک تیر ضرور ہے ۔ مگر یہ ابرو کی کمان سے نہین نکلا ہے بلکہ اسکی کمان کوئی اور ہے یعنی یہ حسن کی کمان کا تیر ہے ۔ ایک شعر اسی مضمون کا یہ ہے

اُس نے جب دیکھا مجھے فوراً صدا دی عشق نے   حسن کی ترکش کا دیکھ اے دل یہ پہلا تیر ہے

تم شہر مین ہو تو ہمین کیا غم جب اُٹھین گے   لے آئین گے بازار سے جا کر دل و جان اور

تمھارے زمانہ مین جان و دل سے ہر شخص تنگ ہے اور فروخت کرنا چاہتا ہے تو تم اگر ہمارے دل و جان لے بھی لوگے تو ہمکو کچھ پروا نہین ہے ۔ جب بازار مین جائینگے اور جان و دل لے آئین گے ۔

ہر چند سبکدست ہوئے بت شکنی مین   ہم ہین تو ابھی راہ مین ہین سنگ گران اور

اگرچہ ہم بت شکنی مین کامل ہوگئے اور بتون کو ہم نے توڑ دیا ۔ مگر اگر ہمارے اندر (ہم) باقی ہے تو یہ بھی ایک بت ہے ۔ اور منزل عرفان کی راہ مین یہ بھی ایک سنگ گران ہے ۔ یعنی این بت کہ تو پندار شکستی باقی است —

ہے خون جگر جوش مین دل کھول کے روتا   ہوتے جو کئی دیدۂ خونابہ فشان اور

میرا خون جگر سوز غم سے جوش مین ہے ۔ کاش کئی آنکھین ہوتین تو دل کھول کر رو سکتا خون بہت جوش مین آ رہا ہے اور آنکھین خون بہانے کے لیے صرف دو ہین کاش بہت سی آنکھین ہوتین اسی مضمون کا شعر نئے الفاظ کے ساتھ پہلے لکھ چکے ہین

نہ کہہ کہ گریہ بہ اندازِ حسرتِ دل ہے   میری نظر مین ہے سب جمع و خرچ دریا کا

مرتا ہون اس آواز پہ ہر چند سر اُڑ جائے   جلاد سے لیکن وہ کہے جائین کہ ہان اور

چاہے میرا سر اُڑ جائے مجھے اسکی پرواہ نہین ہے ۔ مین تو اُس آواز پہ مرتا ہون کہ جبکہ وہ جلاد کو وار کرنے کی تاکید کر رہے ہین —

لوگون کو ہے خورشید جہانتاب کا دھوکا   ہر روز دکھاتا ہون مین اک داغ نہان اور

میرے سینہ سے جو ہر روز اک جدائی کا نیا داغ ظاہر ہوتا ہے لوگ اُسکو خورشید جہانتاب سمجھکر دھوکا کھا جاتے ہین ۔ ناسخ کا مطلع اسی مضمون کا ہے جو مین پہلے بھی لکھ چکا ہون

مرا سینہ ہے مشرق آفتاب داغ ہجران کا   طلوع صبح محشر چاک ہے میرے گریبان کا

لیتا نہ اگر دل تمھین دیتا کوئی دم چین   کرتا جو نہ مرتا کوئی دن آہ و فغان اور

اگر تمھین دل نہ دیتا تو کوئی دم چین لیتا ۔ اگر نہ مرتا تو کوئی دن آہ و فغان اور کرتا اس شعر کے دونون مصرعون مین شرط و جزا ہے ۔ اور بہت خوب شعر ہے ۔ اس شعر مین ایجاز ہے ایجاز مختصر کرنے کو کہتے ہین ۔ یعنی کوئی بات ایسے مختصر طریقہ سے ادا کرین جس سے تمام واقعات سمجھ مین آجائین ۔ اسی شعر کو دیکھئے گویا معشوق کے اس سوال کے جواب مین کہا گیا ہے

کہ تو کوئی دم چین کیون نہین لیتا اور تو آہ و فغان کیون نہین کرتا۔ ایک جگہ اس مضمون کو برعکس یون کہا ہے

نادان ہو جو کہتے ہو کہ کیون جیتے ہو غالب ‏ ‏ قسمت مین ہے مرنیکی تمنا کوئی دن اور

پاتے نہین جب راہ تو چڑھ جاتے ہین نالے ‏ ‏ رُکتی ہے مری طبع تو ہوتی ہے روان اور

جب نالے رُک جاتے ہین اور اسکے بعد جب اُنکو راستہ ملتاہے تو بہت زور سے چلتے ہین اسیطرح میری طبیعت جب رُکتی ہے تو اور زیادہ روان ہوتی ہے۔ یعنی کچھ روز مین شاعری نہین کرتا ہون پھر جو کچھ لکھتا ہون تو طبیعت زیادہ روانی پر آجاتی ہے

ہین اور بھی دنیا مین سخنور بہت اچھے ‏ ‏ کہتے ہین کہ غالب کا ہے انداز بیان اور

اگرچہ دنیا مین اور بھی شاعر بہت اچھے اچھے ہین مگر لوگ کہتے ہین کہ غالب کا انداز بیان سب سے نرالا ہے۔ مولانا حالی نے مرزا غالب مرحوم کے مرثیہ مین لکھا ہے ؎

طالب و عرفی و نظیری و کلیم ‏ ‏ لوگ جو چاہین اُنکو ٹھہرائین

ہم نے سب کا کلام دیکھا ہے ‏ ‏ ہے ادب شرط مُنھ نہ کھلوائین

غالب نکتہ دان سے کیا نسبت ‏ ‏ خاک کو آسمان سے کیا نسبت

صفائے حیرت آئینہ ہے سامان زنگ آخر ‏ ‏ تغیر آب برجا ماندہ کا پاتا ہے رنگ آخر

صفائے آئینہ حیرت آئینہ ہے اور یہ زنگ کا سامان ہے یعنی آئینہ کی صفائی ہی سے زنگ پیدا ہوتا ہے جب پانی ایک جگہ رہتا ہے تو اُسپر کائی جم جایا کرتی ہے۔ آئینہ کی صفائی کو پانی اور زنگ کو کائی سے تشبیہ دی ہے مرزا عبدالقادر بیدل مرحوم نے بھی قریب قریب ایسا ہی مضمون اس شعر مین ادا کیا ہے ؎

در طینت فسردہ صفا ہا کدورت است ‏ ‏ آئینہ میکند ہمہ زنگار آب را

یعنی افسردہ طبیعتون مین صفائی سامان کدورت بنجاتی ہے۔ جیسے کہ آئینہ جو ایک افسردہ طبیعت ہے اپنے تمام پانی کو زنگار بنا دیتا ہے اور اسپر کائی پھیر دیتا ہے۔ بہت ممکن ہے کہ غالب مرحوم نے بجنسہ اس خیال کو ادا کیا ہو۔ اُس صورت مین پہلا مصرع بطور دعوی اور دوسرا مصرع ثبوت مین ہوگا۔ اور یہ معنے ہونگے۔ آئینہ جیسے

حیرت نے افسردہ دل بنا دیا ہے اُسکی صفائی اُسکے لیے سامان زنگ ہے اور اسی لیے اُسکے اب راکد پر زنگ جم جاتا ہے مجھے یہان یہ کہنا ضروری معلوم ہوتا ہے کہ ترجمہ کرنا کوئی عیب نہین ہے۔ بلکہ اگر شاعر کسی دوسری زبان کے خیال کو اپنی زبان مین اچھی طرح سے ادا کر سکے تو وہ کمال شاعری ہے۔ مولانا حالی مقدمہ شعر و شاعری مطبوعہ سنہ ۱۹۱۳ء صفحہ ایک سو چوبیس مین اسکی نسبت لکھتے ہین۔

ہم دیکھتے ہین ہمارے شعرا نے جو کہین کہین فارسی اشعار کا اُردو مین ترجمہ کر دیا ہے ان پر لوگون نے اعتراض کیا ہے۔ لیکن ہمارے نزدیک یہ کوئی اعتراض کا محل نہین ہے۔ ایک زبان کے شعر کا دوسری زبان کے شعر مین ترجمہ کرنا کوئی آسان بات نہین ہے۔ جو شخص دوسری زبان کے شعر کو اپنی زبان مین ترجمہ کرتا ہے گو اُس سے اسکی قوت متخیلہ کا کمال ثابت نہین ہوتا مگر وہ ایک دوسری لیاقت کا ثبوت دیتا ہے۔

مولانا شبلی شعر العجم جلد ۴ مطبوعہ سنہ ۱۹۱۲ء صفحہ ۳۸ مین ترجمہ کے بارہ مین اپنے خیالات کا یون اظہار فرماتے ہین۔ کہ اول اول ایرانی شعرا عربی شاعری سامنے رکھکر شعر کہتے تھے۔ مشق کی ابتدا یہ تھی کہ عربی اشعار کا ترجمہ لفظی کرتے تھے۔ آج بہت سے فارسی قطعے قصیدہ فرد موجود ہین جنکو عام لوگ ایران کا سرمایۂ ناز سمجھتے ہین لیکن وہ عربی اشعار کے ترجمے ہین اور مترجمون نے دانستہ ترجمہ کیا ہے الخ۔ مگر ہمارے لیے اسبارہ مین شعر العجم اور مقدمۂ حالی ہی رہبر نہین ہے۔ عربی فارسی انگریزی اُردو سبھی زبانون مین دوسری زبانون سے ترجمے کیے گئے ہین۔ دوسری زبانون پر چونکہ اسوقت مین کچھ نہین لکھتا اسواسطے انکو چھوڑکر محض اُردو کے شعرا کی حالت دکھاتا ہون کہ اسمین بڑے سے بڑے شعرا نے فارسی سے ترجمے کیے ہین۔ مگر غالب اسبارہ مین قابل تحسین ہین جنھون نے اگر ترجمے بھی کیے تو ایسے خیالات کے جنپر اُردو کے شعرا کا خیال بھی نہین پہونچا اور انھون ترجمے کے لیے ایسے شاعر ڈھونڈھے جنکے نام پر شاعری کو مدتون فخر رہے گا۔ چنانچہ ہم دکھاتے ہین کہ دیگر شعرا نے ترجمے بھی کیے تو ایسے کہ جن مضامین سے اُردو کی شاعری مین کوئی معقول اضافہ نہین ہوتا بخلاف مرزا کے کہ جو مضمون ہے ایسا ہے کہ اُسکی نظیر نہین ملتی۔ اُنھون نے کچھ دوسرے ہی باغون سے پھول چنکر ترجمے کے گلدستہ تیار نہین کیے بلکہ اپنے فارسی دیوان مین بھی جو جذبات یا تخیل لطیف اور اور مزیدار ہے اُسے اردو مین بھی لائے ترجمونکی مثالین ملاحظہ فرمایئے۔

شاعر	مصرع اول	مصرع دوم
قدسی	آلودہ قطرات عرق کردہ جبین را	اختر ز فلک مے نگرد روئے زمین را
سودا	آلودہ قطرات عرق کرکے جبین کو	اختر پڑے جھانکیں ہیں فلک پر سے زمین کو
لااعلم	بہار بے سپر جام و یار مے گذرد	نسیم ہمچو خدنگ از کنار مے گذرد
سودا	بہار بے سپر جام و یار گذرے ہے	نسیم تیر سی سینہ کے پار گذرے ہے
نظیری	بوئے یار من ازین سست وفا می آید	گلم از دست بگیرید کہ از کار شدم
سودا	گردش نگہ مست کی یاد آگئی سودا	ساغر کو مرے ہاتھ سے لینا کہ چلا مین
سعدی	دوستان منع کنندم کہ چرا دل بتو دادم	باید اول بتو گفتن کہ چنین خوب چرائی
میر تقی	پیار کرنے کا جو خوبان ہم پہ رکھتے ہین گناہ	ان سے بھی پوچھے کوئی تم اتنے کیون پیارے ہوئے
لااعلم	در محفل خود راہ مدہ ہمچو منے را	افسردہ دل افسردہ کند انجمنے را
میر درد	نہ کہین عیش تمہارا بھی منغص ہووے	دوستو درد کو محفل مین تم یاد کرو
ناصر علی	دست خواہم زد بدامان سکندر روز حشر	شور لیلے زادہ ام رشک مجنون کردہ ا
لااعلم	میری لیلے کو کر دیا مجنون	اے سکندر مین تجھکو کیا کوسون
خاقانی	ہمسایہ شنید نالہ ام گفت	خاقانی را دگر شب آمد
میر حسن	پھر چھیڑا حسن نے اپنا قصہ	بس آج کی شب بھی سو چکے ہم
بیدل	مسی آلودہ بر لب رنگ پان است	تماشہ کن تہ آتش دخان است
ناسخ	مسی آلودہ لب پر رنگ پان ہے	تماشہ ہے تہ آتش دھوان ہے
ناصر علی	گویند کہ شب بر سر بیمار گران است	گر سرمہ گران است بچشم تو از آن است
ناسخ	ناتوانی سے گران سرمہ ہے چشم یار کو	جسطرح ہو رات بھاری مردم بیمار کو
حزین	بعصائے خرد این راہ نشاید طے کرد	گرد آن شیشہ بہ دست من سرگردان دہ
ذوق	شوق مستی مین ہے گلگشت چمن کا ہمکو	چاہیئے جائے عصا گردن مینا ہمکو
لااعلم	آسمانہا در شکست من کمر با بستہ اند	چون نگہ دارم من از نہ آسیا یکدانہ را
منشی امیر اللہ تسلیم	آسمان گردش مین ہین میرے ستانیکے لیے	چکیان نو چل رہی ہین ایک دانہ کیلیے
نظیری	نہ شگوفہ نہ برگے نہ گلے نہ سایہ دارم	ہمہ حیرتم کہ دہقان بچہ کار کشت مارا
مرزا رجب علی بیگ سرور	نہ پھل پایا لگانیکا بجز افسوس حسرت کے	مین نخل بے ثمر کس مرتبہ مردود دہقان ہون
حافظ	گوہر مخزن اسرار ہمانست کہ بود	حقۂ مہر بدان مہر و نشانست کہ بود
آتش	گوہر عشق کا گنجینہ وہی سینہ ہے	داغ دل زخم جگر مہر و نشان ہے کہ جو تھا

شاعر	مصرع اول	مصرع دوم
نظیری	مجلس چو در شکست تماشا زمار سید	در بزم چون نماند کسے جا بہ مار سید
آتش	آئے بھی لوگ بیٹھے بھی اٹھ بھی کھڑے ہوئے	مین جا ہی ڈھونڈھتا تری محفل مین رہگیا
صفائی اتنتے داہب	افسردہ از کاروان دا ماندہ ام	ہمرہان رفتند و خاکستر نشینم کردہ اند
	نہ پوچھ حال مرا چوب خشک صحرا ہون	لگا کے آگ مجھے کاروان روانہ ہوا

غرض یہ کہ اردو شاعرون نے بہت سے ترجمے فارسی سے کیے ہین مگر ساتھ ہی یہ بھی ضرور ہے کہ یہی ترجمہ کبھی سرقہ کی حد پر پہونچ جاتا ہے۔ اُس حالت مین کہ شاعر اصل شعر مین کچھ رد و بدل کرے اور پھر بھی وہ اصل خیال سے بڑھ نہ جائے وہ ترجمہ نہین ہے۔ ہم محض بہ خیال طوالت تمام بحث کو نہین لکھتے ہین۔

انھین مین چند اقسام اور ہین جنھین التباس۔ اقتباس۔ استفادہ وغیرہ سے موسوم کر سکتے ہین۔ انکو ہم نے بالتفصیل سرقہ شعر مین ذکر کیا ہے۔

اب ہم یہ پھر کہنا چاہتے ہین کہ اسقدر ترجمون مین شاید ایک دو خیال ایسے ہین جو ترجمہ کرنے کے لایق تھے ورنہ وہی معمولی خیال ہین ان سے ادب اُردو مین کوئی اضافہ نہین ہوتا برعکس اسکے غالب کے بہت سے شعر جو ہم جا بجا لکھ چکے اور لکھین گے ان کو غور سے دیکھیے کہ وہ کس قدر قابل قدر ہین۔ اور وہ خیال کسی دوسری جگہ سے ملتے ہین یا نہین۔

نہ کی سامان عیش و جاہ نے تدبیر وحشت کی ہوا جام زمرد بھی مجھے داغ پلنگ آخر

سامان عیش سے میری وحشت کا علاج نہین ہو سکا۔ بلکہ جام زمرد مجھے داغ پلنگ بن گیا جس سے میری وحشت مین اور اضافہ ہوا۔ یہ تشبیہ اُردو مین غالباً بالکل نئی ہے مگر فارسی مین مرزا عبدالقادر بیدل کے یہان پائی جاتی ہے فرماتے ہین ؎

منزل عیش تو وحشت کدۂ امکان نیست چمن از سایۂ گل پشت پلنگ است اینجا

؎ در وحشت این بزم بہ عشرت نتوان زیست ہر چند چراغانش کنی پشت پلنگ ست

یعنے وحشت کدۂ امکان کو منزل عیش نہ سمجھنا چاہیے چمن کو سایہ گل سے پشت پلنگ سمجھ اور اس سے دُور بھاگ۔

دوسری جگہ یہ مضمون ہے کہ بزم کا چراغان پشت پلنگ ہے۔ اس سے عشرت حاصل نہین ہو سکتی بلکہ اور بھی یہ باعث وحشت ہے۔

مولانا علی حیدر صاحب نظم نے معلوم نہین کس بنا پر غالب کے شعر کے مضمون کو مبتذل کہہ دیا ہے۔

جنونکی دستگیری کس سے ہو گر ہو نہ عریانی   گریبان چاک کا حق ہو گیا ہے میری گردن پر

عریانی نشان و موید جنون ہے ۔ لہذا پھٹے ہوئے گریبان کا میری گردن پر حق ہے کہ اس نے میرے جنونکی امداد کی ہے۔ نظم صاحب نے گریبان کو منادیٰ قرار دیا ہے ۔ مگر مین (گریبان چاک) کو ترکیب مقلوب سمجھتا ہون۔ یعنی چاک گریبان جیسے شبنم کہ دراصل نم شب ہے وغیرہ وغیرہ بالکل اسی مضمون کا ایک شعر ہے ؎

جنونکا میرے ساتھی زندگی بھر تھا تو اک یہ تھا   مری گردن پہ احسان رہ گیا میرے گریبان کا

برنگ کاغذ آتش زدہ نیرنگ بیتابی   ہزار آئینہ دل باندھے ہے بال یک تپیدن پر

نیرنگ شعبدہ۔ بال۔ بازو یک تپیدن ایک مرتبہ تڑپنا۔ کاغذ آتش زدہ جو کاغذ جل گیا ہو میرا نیرنگ بیتابی کاغذ آتش زدہ کی مانند۔ ایک بال تپیدن پر ہزارون دل باندھتا ہے یعنی جسطرح جلتے ہوئے کاغذ مین سیکڑون دل پیدا ہو جاتے ہین۔ (دل سے مراد وہ نقاط ہین جو کاغذ کے جلنے مین درمیان مین پیدا ہو جاتے ہین) اسیطرح میرے دل کے جلنے مین سیکڑون دل جو دل کے ٹکڑون سے مراد ہے اس کے ساتھ جلتے ہین۔ یا یہ مطلب ہے بالقول مولانا نظم یہ مراد ہے کہ نیرنگ بیتابی مثل کاغذ آتش زدہ ہے کہ دل نے ایک بال تپیدن پہ ہزار ہزار آئینہ باندھے ہین۔ اس شعر مین آئینہ متحرک کی تڑپ کو اس شعلہ سے تشبیہ دی ہے جو کاغذ آتش زدہ سے بلند ہو بہر حال شعر کے مضمون مین گنجلک پیدا ہو گئی ہے اور مصنف کا کوئی مفہوم پیدا نہین ہوتا نواب صدیق حسن خان ؎ تنہا نہ ہمین جان و دلم در تب و تاب ست ؛ چون کاغذ آتش زدہ یک شہر خراب ام یا یہ سمجھ لیجئے کہ میرا نیرنگ بیتابی ایک کاغذ آتش زدہ ہے جسکے ایک تڑپنے پر ہزار آئینہ دل بندھے ہوئے ہین یعنی نو جنبہ ہین۔

فلک سے ہمکو عیش رفتہ کا کیا کیا تقاضا ہے   متاع بردہ کو سمجھے ہوئے ہین قرض رہزن پر

ہم آسمان سے اس عیش کی جو اس نے ہم سے چھین لی ہین کیسی کیسی تمنائین کرتے ہین۔ عجب خفیف العقل ہین کہ رہزن جو مال ہم سے چھین لے گیا ہے اسکو اس پر قرض سمجھے ہوئے ہین حاصل یہ ہے کہ عیش وارفتہ کی امید فضول ہے نظیری اس عیش رفتہ کی واپسی کی یون تمنا کرتا ہے ؎

تقدمے کہ دوران بردہ است از کیسۂ عمر مرا   جاوید مستغنی خوم از صد دہر گر نیم را

ہم اور وہ بے سبب رنج آشنا دشمن کہ رکھتا ہے   شعاع مہر سے تہمت نگہ کی چشم روزن پر

ہم ہین اور وہ بے سبب رنجیدہ ہونیوالا۔ آشنا دشمن ہے یعنی ہمارا اس بے سبب رنج آشنا دشمن سے پالا پڑا ہے۔ جو اپنے روزن دیوار مین شعاع آفتاب دیکھکر میری نگاہ سمجھتا ہے اور مجھ پر روزن درسے جھانکنے کی تہمت رکھتا ہے۔ بے سبب رنج آشنا۔ کو اگر پورا جملہ سمجھ لیا جائے تو اس حالت مین صحیح ہے۔

فنا کو سونپ گر مشتاق ہے اپنی حقیقت کا   فروغ طالع خاشاک ہے موقوف گلخن پر

اگر اپنی حقیقت کے دیکھنے کا مشتاق ہے تو فنا ہو جا۔ کیونکہ کوڑے اور تنکے کے نصیبہ کا فروغ گلخن مین جانے کے اوپر موقوف ہے یعنے جب تنکا فنا ہونے کی نیت سے بھاڑ مین جاتا ہے اور جلتا ہے تب اسمین فروغ پیدا ہوتا ہے۔ ماحصل یہ ہے کہ فنا فی اللہ ہو کر انوار معرفت حاصل کر۔ حصول انوار معرفت بغیر فنا غیر ممکن ہے۔ یعنی تو ہستی تب اپنی حقیقت کو کہ دراصل تو کیا چیز ہے معلوم کر سکتا ہے کہ فنا ہو جائے۔ اسی مضمون کو فارسی مین یون ادا کیا ہے ؎

جلوہ در طالع خاشاک من افتاد زبون   شد غلط جادۂ گلخن بہ گلستان رفتم

مین ایک تنکا ہون جو اپنے طالع کی فروغ کی امید پر گلخن مین جانا چاہتا ہون۔ مگر راستہ بھولکر گلشن مین چلا گیا۔ اور وہان جانے کا نتیجہ اسکے حق مین اچھا نہ ہوا۔

اسد بسمل ہے کس انداز کا قاتل سے کہتا ہے   تو مشق ناز کر خون دو عالم میری گردن پر

خدا جانے اسد کیسا بسمل ہے کہ قاتل سے کہتا ہے کہ تو خون ناحق کا خوف نکر۔ دونون عالم کا خون میری گردن پر سہی تو مشق ناز کیے جا۔ اور مجھے اسی انداز سے قتل کر تا رہ

یہ شعر مقبول ہے۔ اسی انداز کا وہ شعر ہے جو پہلے لکھا جا چکا ہے "مرتا ہوں اس آواز پہ" اس سے کمال عشق کا اظہار ہوتا ہے۔ خسرو علیہ الرحمتہ کا ایک شعر ہے جسمیں وہ اپنے کمال عشق کا یوں اظہار کرتے ہیں کہ

برو ز حشر اگر پرسند خسرو را چرا کشتی   چہ خواہی گفت قربانت شوم تا من ہمان گویم

ستم کش مصلحت سے ہوں کہ خوبان تجھ پہ عاشق ہیں   تکلف بر طرف مل جائیگا تجھ سا رقیب آخر

میں تیرے ظلم بوجہ نہیں سہتا ہوں بلکہ یوں کہ معشوق تیرے اوپر عاشق ہیں۔ آخر کار یہ کوئی نہ کوئی رقیب مجھے ایسا مل جائیگا۔ جس سے میں عشق کر سکوں گا۔ رقیب معشوق اسواسطے کہا کہ معشوق پر حسینان جہان عاشق ہیں تو وہ متکلم کے رقیب ٹھہرے اس لیے ظلم سہنا عین مصلحت ہوا۔

لازم تھا کہ دیکھو مرا رستہ کوئی دن اور   تنہا گئے کیوں اب رہو تنہا کوئی دن اور

اس غزل کے تمام اشعار زین العابدین عارف مرحوم کے مرثیہ میں کہے گئے ہیں۔ جو مرزا کے عزیز۔ اور عزیز ترین ایک خوشگو خوش فکر مایۂ ناز شاگرد تھے۔ اور مرزا کو ان کے ساتھ کمال محبت تھی دست گلچین ازل اس گل نوشگفتہ پر عین عالم شباب میں دراز ہوا جسکے غم میں غالب کو مدتوں اپنی آنکھوں سے جوئے خون بہانا پڑا۔ غزل کے بعض درد انگیز اشعار سے پتہ چلتا ہے کہ سب جلے ہوئے دل سے نکلے ہیں اور جو کچھ کہا گیا ہے تصنع کو اسمیں ذرا دخل نہیں ہے۔ ہر شعر ایک سر تیز نشتر ہے جو دل کو مجروح کر دیتا ہے۔ چنانچہ اس شعر میں گویا عارف مرحوم کے تصور کو مخاطب کر کے کہتے ہیں۔ اور شکایت کرتے ہیں۔ کہ تمکو یہ چاہئے تھا کہ اگر تمکو مرنا ہی تھا تو ہمارے ساتھ مرتے مگر تم نے جلدی کی میرے مرنے کا انتظار نکیا۔ لہذا اب تم کوئی دن اور تنہا رہو کیوں تنہا گئے تھے نہ تنہا جاتے نہ تنہا رہتے۔

مٹ جائیگا سر گر ترا پتھر نہ گھسے گا   ہوں در پہ ترے ناصیہ فرسا کوئی دن اور

میں تیری قبر کی لوح مزار پر ناصیہ فرسائی اس لیے کرتا ہوں کہ اگر یہ پتھر نہ گھسے گا تو میرا سر تو گھس جائے گا۔

آئے ہو کل اور آج ہی کہتے ہو کہ جاؤں   مانا کہ ہمیشہ نہیں اچھا کوئی دن اور

وفور غم کی بدحواسی نے عارف مرحوم کا نزع کا عالم پیش نظر کر دیا ہے اور وہ ہمیشہ کیلیے مرزا سے وداع ہوا چاہتے ہیں اور غالب جواب لیں کہتے ہیں کہ کل کی بات ہے کہ تم مہمان سرائے عالم میں آئے تھے اور آج جانے کی اجازت چاہتے ہو یہ ہم بھی جانتے ہیں کہ جانا ضرور ہے ہمیشہ کوئی یہاں نہیں رہیگا مگر کوئی دن تو اور ٹھہرو۔

جاتے ہوئے کہتے ہو قیامت کو ملینگے   کیا خوب قیامت کا ہے گویا کوئی دن اور

تم جاتے ہوئے مجھ سے کہتے ہو کہ اب قیامت میں ملیں گے۔ کیا خوب کیا قیامت کا کوئی اور دن ہے کیا جسدن مجھ سے تم قیامت تک کے لیے جدا ہو وہ دن قیامت کا نہیں ہے بے مثل شعر کہا ہے۔

ہاں اے فلک پیر جوان تھا ابھی عارف   کیا تیرا بگڑتا جو نہ مرتا کوئی دن اور

یہاں مصنف آسمان سے شکایت کرتا ہے اور کہتا ہے کہ عارف ابھی جوان تھا اگر وہ کوئی دن اور نہ مرتا تو تیرا کیا بگڑ جاتا۔

تم ماہ شب چاردہم تھے مرے گھر کے   پھر کیوں نہ رہا گھر کا وہ نقشہ کوئی دن اور

تم میرے گھر کے لیے چودھویں کے چاند تھے۔ اور چودھویں کا چاند کچھ دن تک یکسان رہتا ہے پھر بتدریج گھٹ کر ہلال ہوتا ہے تب کہیں چھپتا ہے۔ مگر تم یکایک چھپ گئے اور میرے گھر کو سیہ خانہ غم بنا گئے۔ ماہ شب چاردہم جوانی کی رعایت سے کہا گیا ہے یہ شعر بھی خوب ہے۔

تم کون سے تھے ایسے کھرے داد و ستد کے   کرتا ملک الموت تقاضا کوئی دن اور

تم ایسے لین دین کے کہاں کے کھرے تھے کہ ادھر ملک الموت نے تقاضہ کیا اور ادھر تم نے اپنی جان اسکے حوالے کر دی کچھ دنوں اس کو تقاضہ کرنے دیتے۔

رسے تھین نفرت سہی نیرّ سے لڑائی　　بچوں کا بھی دیکھا نہ تماشا کوئی دن اور

ن نے مانا کہ تمکو مجھ سے نفرت تھی نیرّ سے لڑائی تھی۔ مگر اس بنا پر تمکو جانا نہ چاہیے تھا
نم بچوں کا تو کوئی دن اور تماشا دیکھا ہوتا۔ نیرّ مرزا غالب مرحوم کے شاگرد رشید تھے
ن ہتے کہ عارف اور نیرّ مین کچھ باہم چشمک ہو۔ ورنہ ظاہر معنے یہی ہین کہ اگر ہم
نون کے ساتھ رہنے سے تمھین تنفر تھا تو بچپن کا تو تماشہ دیکھا ہوتا۔

رنی بہر حال یہ مدت خوش و ناخوش　　کرنا تھا جوانمرگ گذارا کوئی دن اور

ت جوانمرگ یہ صحیح ہو کہ ہم لوگونکی صحبت سے تم خوش نہ تھے۔ مگر بہر حال اتنی مدت جیسے تیسے
ش و ناخوش گذر رہی تھی اسی صورت سے کچھ دن اور گذارا کرتا تھا کہ تیرے سامنے
ہمارا کام تمام ہو جاتا۔ اور پہلے ہم مرجاتے۔

ادان ہو جو کہتے ہو کہ کیون جیتے ہو غالب　　قسمت مین ہے مرنے کی تمنا کوئی دن اور

م لوگ جو یہ کہتے ہو کہ ایسا سخت صدمہ اُٹھا کر بھی تم زندہ ہو حالانکہ زندہ نہ رہنا چاہیے
لر یہ تمھاری نادانی ہے۔ مجھے اس جینے سے لذت حیات سے بہرہ ور ہونا مقصود نہین
ہے بلکہ یہ زندگی صرف اس لیے ہے کہ اتنے دن موت کی تمنا اور کرون۔

ردیف زے (ز)

فارغ مجھے نہ جان کہ مانند صبح و مہر　　ہے داغ عشق زینت جیب کفن ہنوز

تو نے مرنے پر مجھے تن آسانی کا الزام دیا ہے اور غم عشق سے فارغ سمجھ لیا۔ مگر یہ نادانی
ہے مجھے غم عشق سے مرنے کے بعد بھی فراغت نصیب نہین ہوئی ہے۔ بلکہ داغ عشق
اب تک میرے جیب کفن اس صورت سے چمکتا ہے جیسے چاک گریبان صبح مین مہر
تابان چمکتا ہے جیب کفن کو ہی داغ عشق کہہ سکتے ہین۔ کیونکہ اسکو گریبان دریدہ
سے استعارہ کرتے ہین جو نشان جنون عشق ہے اور اسی داغ کو آفتاب کہا جاسکتا
ہے مولانا ناظم صبح کو شب عمر کے گذر جانیکا استعارہ ٹھہراتے ہین۔ میرا ایک شعر ہے ؎

زندگی شد اجل از غم ہجران دارم　　عوض چاک کفن چاک گریبان دارم

ہے ناز مفلسان زر از دست رفتہ پر　　ہون گلفروش شوخی داغ کہن ہنوز

بس میرے دل مین داغ عشق تھا۔ اور اب دل کے مٹ جانے سے وہ داغ بھی
مٹ گیا۔ جو کہ زر سے مشابہ تھا۔ اس صورت مین گویا مین وہ مفلس ہون جس کی
دولت ضائع ہو چکی ہے تو اس حالت مین مین شوخی داغ کہن کو یاد کرکے ناز کیا کرتا
ہون جسطرح سے کہ مفلس اپنی گذشتہ زائل شدہ دولت پہ ناز کیا کرتے ہین۔ اسی قسم کا
ایک مضمون ہے جسکو فارسی مین یون ادا کیا ہے ؎

چہ غم ار بحد گرنیتی زمن احتراز کردن　　نتوان گرفتن از من بہ گذشتہ ناز کردن

میخانۂ جگر مین یہان خاک بھی نہین　　خمیازہ کھینچے ہے بُت بیداد فن ہنوز

میرے میخانۂ جگر مین شراب خون ایک بوند بھی باقی نہین اور اُس بت خونخوار کو اب تک
انگڑائیان آرہی ہین۔ اور بدستور میرے خون کا پیاسا ہے۔

حریف مطلب مشکل نہین فسون نیاز　　دعا قبول ہو یارب کہ عمر خضر دراز

میرے مشکل مطالب میری عاجزانہ دعاؤن سے پورے نہین کرتا تو اے خدا
یہی دعا قبول کرے کہ خضر کی عمر دراز ہو۔ حصول مدعا کی مایوسی کی انتہا کو تحصیل حاصل کی
آرزو کرنے مین دکھایا گیا ہے۔ نعمت خان عالی ایک جگہ کہتے ہین ؎

گفتن دعائے زلف تو تحصیل حاصل ست　　با خضر کس نگفت کہ عمرت دراز باد

تیری زلف کو درازی کی دعا دینا گویا تحصیل حاصل ہے کیونکہ خضر کو کوئی درازی عمر
کی دعا نہین دیتا اُسکی عمر خود دراز ہے ؎

نہو بہرزہ بیابان نورد وہم وجود　　ہنوز تیرے تصور مین ہے نشیب و فراز

صوفیا وغیرہ پر طنز ہے مطلب یہ ہے کہ تو اپنے وہم مین وحدت وجود یعنی توحید
و عرفان کا راستہ طے کرنا چاہتا ہے۔ اور اس مین تو نے مراتب مقرر کیے ہین
کہ پہلے فنافی الشیخ ہو۔ پھر فنافی الرسول اور پھر فنافی اللہ و دیگر مقامات جبروت

…وت ناسوت وغیرہ وغیرہ کو طے کرے تو ان نشیب و فراز اور مقامات کا خیال اگر تیرے
…ل مین ہے اور تو ان خیالات مین محو ہے تو اس راستہ کا طے کرنا ایک فضول اور بیہودہ
…ہے اس صورت سے تو ہرگز منزل مقصود پر نہین پہونچ سکتا سعدی علیہ الرحمہ
…رماتے ہین ؎

ترسم نرسی بہ کعبہ اے اعرابی کین رہ کہ تو میروی بہ ترکستان است

…یا دوسرا پہلو یہ ہے۔ کہ تو نے ماسوی اللہ کا کچھ وجود سمجھ رکھا ہے۔ اسی وہم سے جنگل کو
تیرا خیال طے کر رہا ہے اور باوجود اسکے کہ سیکڑون انقلاب تو اپنی آنکھون سے دیکھ چکا
مگر پھر بھی تیری نظر مین نشیب و فراز زمانہ کی وقعت ہے حالانکہ وجود ماسوی اللہ اور
نشیب و فراز عالم کچھ چیز نہین ہین اور یہ محض تیرا وہم ہی وہم ہے ہنوز کے لفظ سے یہ پتہ
چلتا ہے کہ اس کتنے پہلے تو نے بے وجودی وجود اور بے ثباتی نشیب و فراز کا معائنہ
کیا ہے مگر پھر بھی ابتک تیرے وہی بیہودہ خیال اور وہم قائم ہین۔ نشیب و فراز کے معنے
آسمان و زمین کے بھی لیے جاسکتے ہین اور یہ نشیب و فراز کا استعارہ آسمان و زمین سے
کیا جاتا ہے جیسے کہ آتش مرحوم ایک جگہ فرماتے ہین ؎

دھبّہ مٹے زمین کے نشیب و فراز کا ٹیلون سے خاک سے یہ گڑھے بھر چکین نہین

نظم صاحب نے اس شعر کی شرح اسطرح کی کہ وجود سے وجود ماسوے اللہ مراد ہے
اور نشیب و فراز کا یہی سبب ہے کہ تو وجود کے لئے مراتب سمجھے ہوے ہے جسکا مرتبہ اعلیٰ
وجوب ہے اور مرتبہ ادنے امکان ہے اور امکان مین بھی قیام بذاتہ و قیام لغیرہ جوہر و عرض
کے لیے وجود مین پستی و بلندی رکھتا ہے یعنی جادہ مستقیم یہ ہے کہ ہر شے کو موجود کو وجود
واحد سمجھ اور وجود کے لیے اقسام نہ نکال کہ یہ راستہ بہتر کا ہے۔
حسرت صاحب فرماتے ہین کہ ہرزہ یعنی بیکار۔ تیرے تصور مین نشیب و فراز ہین
یعنے تیرا تصور ناتمام اور قاصر ہے۔ مطلب یہ ہے کہ وحدت وجود کا عقیدہ اختیار
کرنا چاہیے تاکہ وجود اشیائے عالم کے متعلق تمام اوہام سے نجات حاصل ہوجائے۔

وصال جلوہ تماشا ہے پر دماغ کہان کہ دیجے آئینۂ انتظار کو پرداز

ہم نے مانا کہ وصال یار اپنے جلوے ضرور دکھائیگا مگر ہم مین انتظار کی طاقت کہان ہے
جلوہ تماشا جلوہ کا تماشا دکھانیوالا پرداز صیقل۔

جلوہ تماشہ کا آئینہ صاف انتظار مین صورت دکھانا ایک نئی بات ہے ؎

جبتک وفا ہو وعدہ پیمان زندگی کہان مجھ سے زیادہ عہد ترا استوار ہے
اغرگریہ مسلم سہی لیکن اے دل کل پہ منت کش فریاد ہوا یا نہوا

یک قلم کاغذ زدہ ہے صفحۂ دشت نقش پا مین ہے تپ گرمی رفتار ہنوز

یکقلم۔ یعنی سراسر۔ چونکہ میرے پاؤن مین ہنوز تپ گرمی رفتار باقی ہے۔ اور مین صحرا
نوردی کرتا ہون تو صحرا اس اثر سے کاغذ آتش زدہ بن گیا ہے۔
یکقلم۔ کاغذ۔ صفحہ۔ وغیرہ وغیرہ یہ سب الفاظ مناسب جمع کیے گئے ہین۔ ہم رعایت
لفظی کے وہانتک قائل ہین جہانتک سامع کو یہ نہ معلوم ہو کہ مصنف نے بالارادہ
کوئی لفظ کسی لفظ کی رعایت سے رکھا ہے اور بے تکلفی سے معنے پیدا ہون اس سے
زیادہ آورد ہے اور قابل تحسین نہین ہے۔

کیونکر اس بت سے رکھون جان عزیز کیا نہین ہے مجھے ایمان عزیز

من اس بت سے جان کیونکر عزیز رکھون وہ میرا ایمان ہے۔ اور ایمان پر جان
قربان کردینی چاہئے۔

دل سے نکلا پہ نہ نکلا دل سے ہے ترے تیر کا پیکان عزیز

تیرے تیر کا پیکان جو دل مین تھا وہ دل سے نکل گیا۔ مگر یہ نہین ہے کہ مین اس کے
خیال کو بھول گیا ہون اس کا خیال ابھی بدستور ہے۔ پہ بجائے پر۔ اور پہ بجائے یہ
مگر اب متروک الاستعمال ہین۔ پیکان مین اس محل پر اعلان نون اچھا نہین معلوم ہوتا
اور یہ غیر فصیح ہے۔

تاب لاتے ہی بنے گی غالب واقعہ سخت ہے اور جان عزیز

غالب صبر کرنا ہی پڑے گا۔ کیونکہ واقعہ بہت سخت ہے اور اس قابل ہے کہ جان
دیدین مگر جان پیاری ہے اسواسطے مجبوراً اس سخت واقعہ اور صدمہ کی برداشت

کرینگے۔ اس شعر مین اور کا واؤ گر گیا ہے اور اس صورت مین یہ فع کے وزن پر رہ گیا ہے مگر اور بروزن فع اساتذہ کے کلام مین اکثر ہے لفظ او بروزن فاع اور فع کے مواقع استعمال جُدا جُدا ہین جنھین اگر خلط ملط کیا جائے تو مفہوم غلط ہو جائیگا اور اسکو یقیناً غیر فصیح سمجھا جائیگا۔ چنانچہ اور بمعنی دیگر اور بمعنی واؤ عاطفہ وغیرہ وغیرہ کا محل استعمال جُدا ہے۔ بلکہ واؤ عاطفہ کے بجائے اور کو بعض نے اسقدر مخفف کیا ہے کہ واؤ اور رے دونون گر گئے اور وہ بھی صحیح ہے مگر روزمرہ مین زیادہ تر بروزن فع مستعمل ہے اسکی صحت مین کوئی شبہہ نہین اور یہان اس قاعدہ کو کہ وسط سے کبھی کوئی حرف نہین گرتا۔ مقبول نہین سمجھ سکتے۔

نے گل نغمہ ہون نہ پردۂ ساز — مین ہون اپنی شکست کی آواز

گل نغمہ مراد ہے گلبانگ سے۔ نہ مین گلبانگ ہون نہ پردۂ ساز ہون بلکہ اپنی شکست کی آواز ہون۔ جو سراپا درد ہے مجھے خوشی اور طرب سے کوئی واسطہ نہین ہے فارسی مین خود مرزا صاحب اس کو یون فرماتے ہین ع

دیگر ز ساز بیخودی ما صدا مجوئے — آوازے از گسستن تار خودیم ما

تو اور آرایش خم کاکل — مین اور اندیشہ ہائے دور دراز

تجھے اپنے خم کاکل کی آرایش کی فکر ہے۔ اور مجھے دور دراز کے اندیشون نے کہ دیکھئے یہ آرایش میرے دل پر کیا کیا ستم کرے گی۔ یا یہ آرایش کرکے تو کہان جائے گا۔ یا یہ آرایش میرے طرح طرح کے اور سیکڑون رقیب پیدا کر دے گی۔ پریشان کر رکھا ہے۔ اندیشہائے دور و دراز نے شعر مین جان ڈال دی ہے اور بہت سے معنی پیدا کر دیے ہین۔ آرایش خم کاکل پر اندیشہائے دور دراز پیدا ہونا۔ ایک لطیف مضمون ہے اگرچہ محاورہ دور اندیشی ہے دور و دراز اندیشی نہین ہے مگر رعایت لفظی اور ردیف کی مجبوری نے مصنف کو خلاف محاورہ یا تصرف محاورہ پر مجبور کیا۔ مگر قادر الکلامی اور برجستگی معنی نے پردہ رکھ لیا اور کوئی حرف نہین آنے دیا۔

لاف تمکین فریب سادہ دلی — ہم ہین اور راز ہائے سینہ گداز

اے سادہ دلی تو ہم کو فریب دیتی ہے کہ ہماری لاف تمکین و وقار قائم رہیگی

یہ نہین ہو سکتا ہماری تمکین و وقار قائم رہے کیونکہ ہمارے سینہ مین جو اسرار ہین وہ ایسے نہین کہ چھپانے سے چھپ جائین کیونکہ وہ سینہ گداز ہین۔ اگر میرا سینہ انکو چھپانا بھی چاہے تو وہ نہین چھپ سکتے۔ حاصل یہ ہے کہ سوز عشق چھپانے سے چھپ نہین سکتا ع

آبگینہ تندی صہبا سے پگھلا جائے ہے

عشق اور مشک چھپانے سے کہین چھپتے ہین — سر بازار ہی پٹتا ہے ڈھنڈورا ان کا

یا لاف تمکین فریب کو سادہ دلی کی صفت مانئے تو یہ معنی پیدا ہوتے ہین کہ اے سادہ دلی یہ تیری امداد کا وقت ہے جس صفت سے موصوف ہے اوسے کام مین لا اور ہمارے راز ظاہر کر دے۔

اگر لاف تمکین کو منادی کہئے تو یہ مفہوم ہے کہ اے لاف تمکین تو نے میری سادہ دلی کا فریب کھایا ہے۔ اور اس پر مطمئن ہے کہ ہمارا حال کسی پر کھل نہین سکتا حالانکہ ہمارے سینہ کے اندر جو راز ہین وہ ہرگز چھپ نہین سکتے اور وہ سینہ گداز ہین۔

یہ مفہوم بھی بعید از قیاس نہین ہے اگر کہا جائے کہ ہم کبھی تمکین کی شیخیان مارتے ہین اور کبھی اپنی سادہ لوحی کا لوگون کو فریب دیتے ہین۔ حالانکہ یہ سب اُن رازہائے سینہ گداز کا اثر ہے جو ہمارے سینہ مین وہ مختلف صورتون مین ظاہر ہوتے ہین یعنی لوگ ہمارے تمکین کی لاف اور سادہ دلی کے فریب کی وجوہات سے خوب واقف ہونگے۔

اگر تمکین۔ لاف۔ اور فریب کو مضاف نہ کہا جائے تو یہ مفہوم ہے کہ ہماری تمکین کو دعوی لاف اور ہماری سادہ دلی کا ادعا فریب سمجھا گیا ہے اور اس کا سبب رازہائے سینہ گداز ہین۔

ہون گرفتار الفت صیاد — ورنہ باقی ہے طاقت پرواز

مجھے الفت صیاد نے قبضہ کر رکھا ہے ورنہ طاقت پرواز ہنوز مجھ مین باقی ہے اور چاہون تو اڑ سکتا ہون۔ بہت ہی اچھا شعر ہے۔

وہ بھی دن ہو کہ اس ستمگر سے — ناز کھینچون بجائے حسرت ناز

ابتک تو مین اُس کے ناز اٹھانے کی حسرتین کرتا ہون کاش وہ دن بھی آئے کہ بجائے اس حسرت ناز کے اُس کے ناز اٹھاؤن۔

نہین دل مین مرے وہ قطرۂ خون — جس سے مژگان ہوئی نہو گلباز

میرے دل مین کوئی ایسا قطرۂ خون نہین تھا جو بہ کر میری پلکون پر نہ آیا ہو اور پلکون نے خوشی سے اُس کو نہ بہایا ہو۔ گلبازی سے خوشی کے معنی پیدا ہوتے ہین۔

اے ترا غمزہ یک قلم انگیز — اے ترا ظلم سربسر انداز

اے حرفِ ندا۔ منادی محذوف ہے یعنی اے نازنین تیرا غمزہ سراسر انگیز ہے اور تیرا ظلم سربسر انداز ہے۔

تو ہوا جلوہ گر مبارک ہو — ریزشِ سجدۂ جبینِ نیاز

تو آگیا۔ اب مجھے تیرے لئے بہت سے سجدے کرنا مبارک ہو۔ یا میری جبین کے بہت سے سجدے تجھے مبارک ہون۔

مجکو پوچھا تو کچھ غضب نہوا — مین غریب اور تو غریب نواز

تو مجھ سے ناراض تھا۔ یا خیال کرتا تھا کہ اگر مین اس کی بات پوچھون گا تو میری کسرِ شان ہوگی یا دوسرے عشاق مجھ سے ناراض ہو جائین گے۔ مگر دیکھ یہ تیرے خیال فضول تھے۔ اگر تو نے مجکو پوچھا تو یہ کچھ غضب نہوا۔ تجکو پوچھنا۔ اور مجھپر مہربانی کرنا ضرور تھا کیونکہ مین غریب ہون اور تو غریب نواز ہے۔ غریب نوازی کی شان یہ ہے کہ غریب کو پوچھے اور اسپر مہربانی کرے۔ اس شعر مین گویا معشوق کی فہمایش مقصود ہے۔ اظہار شکر مراد نہین ہے۔

اسد اللہ خان تمام ہوا — اے دریغا وہ رندِ شاہد باز

اسد اللہ خان مرگیا ہائے افسوس۔ وہ رند شاہد باز۔ دوسرا مصرعہ بطور نوحہ اور ماتم

کے جس سے مراد مردہ پر رونا اور بیان کرنا ہے واقع ہوا ہے۔

مژدہ اے ذوقِ اسیری کہ نظر آتا ہے — دامِ خالی قفسِ مرغِ گرفتار کے پاس

ذوقِ اسیری کو مبارکباد دیتا ہے کہ لے اب تیری آرزو پوری ہو جائے گی مرغِ گرفتار کے پاس ایک دامِ خالی نظر آتا ہے۔ چل اور اسمین گرفتار ہو جا۔ قاعدہ ہے کہ جانورون کے شکار کرنے کے لئے جال کے پاس طائران گرفتار کے پنجرے رکھدیتے ہین کہ آزاد جانور گرفتار ہون اور دھوکہ کھائین۔

جگر تشنۂ آزار تسلی نہوا — جوئے خون ہمنے بہائی بنِ ہر خار کے پاس

میرا جگر میرے خون کا پیاسا ہے اور مجھے آزار دینے مین اس کو خوشی ہوتی ہے اُس کی خاطر سے ہم نے ہر ایک خارِ صحرا کے پاس۔ صحرا گردی جنون کی حالت مین تلوون مین کانٹے چبھنے کی وجہ سے تلوون سے اور اس کی تکلیف محسوس ہونے سے آنکھون سے جوئے خون بہائی مگر پھر بھی جگر کو تسکین نہوئی۔ اور اسی طرح ہماری ایذا دہی پر تُلا ہوا ہے تسلی ہوا اگرچہ محاورہ نہین ہے مگر جیسے خبر ہوا یعنی مجھے خبر ہوئی ہے اسی قبیل سے تسلی نہوا کو بھی سمجھ لیجئے تو غلط کہنے کی جرأت نہین ہوتی اور اسے غالب کا تصرف ماننا پڑتا ہے۔

یہان یہ لکھنے کی بھی ضرورت ہے کہ محاورہ مین عوام اور خواص تصرف نہین کرسکتے مگر مقتدر اہل قلم اور مستند شعرا اگر کوئی خاص محاورہ قرار دین تو عوام اس کو ناجائز نہین کہہ سکتے۔

مند گئین کھولتے ہی کھولتے آنکھین ہے ہے — خوب وقت آئے تم اس عاشقِ بیمار کے پاس

تم نزع کی حالت مین میرے پاس آئے میری حسرتِ دیدار نے اگرچہ میری آنکھین کھولین مگر کھولتے ہی کھولتے میری آنکھین بند ہوگئین۔ اس آنے سے نہ آنا اچھا تھا۔ غالب کا ایک شعر اس قسم کا پہلے لکھا جا چکا ہے ؎

مند گئین کھولتے ہی کھولتے آنکھین غالب — یار لائے مرے بالین پہ اُسے پر کس وقت

مگر شیخ ابراہیم ذوق نے اس مضمون کو نہایت اچھے انداز سے بیان کیا ہے جس کا جواب نہیں ہے ؎

دیکھا دمِ نزع دلِ آرام کو
عید ہوئی ذوق مگر شام کو

مندنا۔ بند ہونے کے محل پر اب متروک الاستعمال ہے۔ اور عوام کی زبان سمجھا جاتا ہے اگرچہ ظاہراً پیارا معلوم ہوتا ہے۔ مگر در مع الدہر کیف دار کا کیا علاج۔

میں بھی گھٹ گھٹ کے نہ مرتا جو زباں کے بدلے
دشنہ اک تیز سا ہوتا مرے غمخوار کے پاس

میرا غمخوار جو مجھے نصیحت اور ملامت کر کے عشق سے روکتا ہے ان کو سنکر میرا دل دمبدم زخمی ہوتا ہے کاش اس زبان کے بدلے جس سے وہ مجھے نصیحت کرتا ہے میرے غمخوار کے پاس ایک تیز چھری ہوتی جس سے وہ میرا گلا کاٹ دیتا اور دم بھر میں میرا کام تمام ہو جاتا یہاں یہ نکتہ قابل دید ہے۔ کہ غمخوار کو بوجہ غمخوار ہونے کے جان دینا پسند کیا ہے۔ اگر نصیحت و ملامت جو معشوق کے عشق سے باز رہنے کا باعث ہے وہ سننا پسند نہیں ہے اور یہ شان کمال عشق ہے۔

دہنِ شیر میں جا بیٹھیے لیکن اے دل
نہ کھڑے ہو جیے خوبانِ دل آزار کے پاس

اے دل شیر کے منہ میں جا بیٹھنا دل آزار معشوقوں کے پاس کھڑے ہونے سے اچھا ہے بیٹھنے اور کھڑے ہونے میں تقابل لطف انگیز ہے۔ دہن شیر میں بیٹھنا کچھ اچھا نہیں یہ ایک غیر مانوس مضمون ہے۔

دیکھ کر تجھ کو چمن بسکہ نمو کرتا ہے
خود بخود پہنچے ہے گل گوشۂ دستار کے پاس

چمن کا جوش نمو تجھے دیکھ کر ترقی کرتا ہے اور پھول اپنے آپ گوشۂ دستار کے پاس پہونچ جاتا ہے کہ وہاں پہونچکر تجھے زینت دے اور خود فخر حاصل کرے۔

مر گیا پھوڑ کے سر غالبِ وحشی ہے ہے
بیٹھنا اُس کا وہ آ کر تری دیوار کے پاس

غالب وحشی سر پھوڑ کر مر گیا ہائے ہائے اسکا وہ تیری دیوار کے پاس سر پھوڑنے

کی نیت سے آکر بیٹھنا یاد آتا ہے یا وہ جب تجھے دیکھنے کے لیے بیتاب ہوتا تھا تو غریب دیوار کے پاس آکر بیٹھا کرتا تھا۔ دوسرا مصرع ایسا واقع ہوا ہے کہ جسے اگر دوسرے الفاظ کے ساتھ ادا کیا جاتا تو ہرگز یہ لطف نہ آتا اور شعر کا رتبہ کم ہو جاتا جیسے۔

ابھی بیٹھا تھا جو آکر تری دیوار کے پاس یا
بیٹھا کرتا تھا جو آکر تری دیوار کے پاس (یا) بیٹھا رہتا تھا جو اکثر تری دیوار کے پاس

اس صورت کو انشا کہتے ہیں اور اکثر انشائیہ جملہ بمقابلہ خبریہ کے زیادہ مؤثر ہوتے ہیں دوسرے مصرعوں میں خبر کی صورت ہے جو ایسا اثر نہیں رکھتے۔ غالب کے یہاں یہ انداز بیان زیادہ ہے جیسے ایک جگہ پہلے کہا ہے ؎

ہوئی مدت کہ غالب مر گیا پر یاد آتا ہے
وہ ہر اک بات پر کہنا کہ یوں ہوتا تو کیا ہوتا

ایک جگہ قریب قریب ایسا ہی مضمون اسی صورت سے لکھ چکے ہیں۔

سر پھوڑنا وہ غالبِ شوریدہ حال کا
یاد آ گیا مجھے تری دیوار دیکھ کر

ردیف (ش)

نہ لیوے گر خسِ جوہر طراوت سبزۂ خط سے
لگاوے خانۂ آئینہ میں روئے نگار آتش

خس جوہر کو آئینہ جوہر سے استعارہ کر کے کہتا ہے کہ میرے معشوق کے روئے روشن کی چمک دمک آئینہ دیکھتے وقت آئینہ میں آگ لگا دے۔ اگر جوہر آئینہ کو سبزۂ خط طراوت نہ پہونچے یعنی شعلۂ حسن عالم سوز کا اثر محض طراوت سبزۂ خط کی وجہ سے آئینہ پر نہیں پڑتا شیخ علی حزین کے یہاں ایسا ہی مضمون اس صورت سے ادا کیا گیا ہے ؎

کتان طاقتم را پردہ داری میکند حسنش
زخش در شام خط ماہ سحاب آلودہ را ماند

یعنی میرا کتان طاقت ابتک پارہ پارہ ہو جاتا مگر سبزۂ خط عارض پر ایسا ہے جیسے چاند پر سحاب اور چونکہ وہ اس میں چھپا ہوا ہے اس واسطے اسکا اثر نہیں پڑا ہے بہت خوب کہا ہے۔

اس صورت کو بھی سرقہ نہیں کہتے بلکہ یہ ایک اقتباس ہے جسمیں صرف طرز بیان کو لے لیا ہے اور ایسے شعر بہت سے شعرا کے یہاں پائے جاتے ہیں طرز بیان کے

سوائے مضمون بالکل نیا ہے مگر ہان یہ ضرور ہے کہ بغیر دوسرے خیال دیکھے ہوئے یہ خیالات پیدا نہین ہوتے۔

چنانچہ یہ چند اشعار دیکھیے اور قیاس کر لیجیے کہ متاخرین نے متقدمین کے خیالات کو لیے بغیر یہ شعر نہین کہے جنکی گواہی اشعار خود بآواز بلند دے رہے ہین۔

نظیری — مرا بہ سادہ دلی ہائے من توان بخشید — خطا نمودہ ام و چشم عافیت دارم
حزنی — مرا بر سادہ لوحیہائے حزنی خندہ می آید — کہ دارد چشم لطف از دلبری نامہربانی ہم
قائم — ظالم تو میری سادہ دلی پر تو رحم کر — روٹھا تھا تجھ سے آپ ہی اور آپ من گیا
داغ — عشق مین اک بلند قامت سے — ہم گلے مل گئے قیامت سے
امیر — سایہ مین اک بلند قامت کے — فتنے سب سو گئے قیامت کے
غالب — انکے دیکھے سے جو آجاتی ہے منہ پر رونق — وہ سمجھتے ہین کہ بیمار کا حال اچھا ہے
امی — دیکھتے ہی تجھے کیون آگئی منہ پر رونق — کیا مرا رنگ پریدہ تری تصویر مین تھا
سعدی — رسم است کہ مالکان تحریر — آزاد کنند بندۂ پیر
علامہ آزاد بلگرامی — نازم بہ صاحبے کہ سراپا مروت است — آزاد کرد پیر غلام خریدہ را
سعدی — اگر یک سر موئے برتر پرم — فروغ تجلی بسوزد پرم
حیرتی — ہمچو پروانہ بہ شمعے سروکار است مرا — کہ اگر پیش روم بال و پرم می سوزد

مندرجہ بالا اشعار سے صاف ظاہر ہے کہ ایک ایک خیال اور ایک انداز بیان پر شعر کی بنا رکھی گئی ہے اور باقی مضامین بالکل جدا ہین۔

نظیری۔ حزنی۔ قائم کے یہان سادہ دلی۔ داغ و امیر کے یہان قافیے۔ میر اور غالب کے یہان معشوق کے دیکھنے سے عاشق کی خوشحالی۔ سعدیؒ اور آزاد کے یہان آزادی۔ سعدی اور حیرتی کے یہان فروغ تجلی کے خیالات ایک ہین۔ باقی مضمون بالکل علیحدہ ہین۔ لیوے۔ لے کے بجائے صحیح تو ضرور ہے مگر متروک الاستعمال ہے۔ اب دہلی مین لیوے بولتے ہین نہ لکھنؤ مین۔

فروغ حسن سے ہوتی ہے حل مشکل عاشق — نہ نکلے شمع کے پا سے نکالے گر نہ خار آتش

حسن کے جلوے اور فروغ پر عاشق کی مشکل کے حل ہونے کا انحصار ہے گویا شمع

ایک عاشق ہے جس کے پاؤن مین تپی سے کانٹا چبھا ہوا ہے اگر شعلۂ شمع کا جلوہ نہو تو وہ کانٹا نکل نہین سکتا اور یہ ظاہر ہے کہ شعلہ ہی تپی کو جلاتا ہے۔ حل مذکر لکھا جاتا ہے مگر مصنف نے تانیث باندھا ہے۔ اور یہ غالباً مشکل کی وجہ سے یا دہوکا ہوگیا ہے کیونکہ ترکیب کے بغیر یون لکھا جاتا (نثر) فروغ حسن سے عاشق کی مشکل حل ہوتی ہے اور بصورت ترکیب یون (فروغ حسن سے حل مشکل عاشق ہوتا ہے) مگر غالب کا ایسی معمولی بات مین دہوکا کھانا ایک تعجب انگیز امر ہے اس لیے یہ قیاس غلط ہوگا کہ شاید مصرع اس صورت سے ہو

فروغ حسن سے ہوتی ہے حل ہر مشکل عاشق

ورنہ شعر مین ایک غلطی مانی جائے گی۔

ردیف شین

جادۂ رہ خور کو وقت شام ہے تار شعاع — چرخ وا کرتا ہے ماہ نو سے آغوش وداع

وقت شام آفتاب جو آسمان سے رخصت ہوتا ہے اور اسپر ہلال نمودار ہوتا ہے تو وہی تار شعاع شمس اُس کے واسطے جادۂ راہ ہین اور ماہ نو وہ آغوش کشادہ ہے جو آسمان نے سورج کے رخصت کرنے کے لئے کھولی ہے حاصل یہ کہ شام کے وقت آسمان آفتاب کو رخصت کر دیتا ہے مولانا نظم اس شعر کی شرح مین شعاع کے معنی اُن سفید خطون کے لیتے ہین جو قبل طلوع آفتاب اور بعد غروب آفتاب اُفق مین نمایان ہوتے ہین جنکو قرنی الشمس بھی کہتے ہین۔ اور خطا بعض بھی مگر یہ معنی خلاف قیاس ہین۔ شعاع [redacted] معنی یہ ہرگز نہین ہین

رخ نگار سے ہے سوز جاودانی شمع — ہوئی ہے آتش گل آب زندگانی شمع

رُخ نگار کو گل تصور کیا اور شمع کے سوز جاودانی کو حیات جاودانی مانا اسی بنا پر کہا گیا ہے کہ میرے معشوق کے گل رخسار کے رشک سے ہمیشہ شمع جلتی ہے تو گویا آتش گل زندگانی شمع کے لیے آب بقا ہے یعنی اگر آتش رخسار معشوق اس قدر روشن نہوتی تو شمع کو یہ سوز جاودانی نصیب نہوتا۔ یہ مضمون محض آتش کو آب بنانے کے لیے لکھا گیا ہے نہایت نازک اور اچھا مضمون ہے۔ اگرچہ یہ محض ادعائے شاعرانہ ہے مگر آورد سے خالی

نہین ہے یہان یہ بات سمجھنے کے قابل ہے کہ آمد سے زیادہ اچھا آورد کا مضمون ہو سکتا ہے بشرطیکہ سلاست کے ساتھ باندھا جائے اور نشست الفاظ درست ہو۔

زبانِ اہلِ زبان مین ہے مرگ خاموشی   یہ بات بزم مین روشن ہوئی زبانیِ شمع

اہل زبان کا خاموش ہو جانا بمنزلہ مر جانے کے ہے اور یہ بات شمع کی زبانی معلوم ہوئی ہے جیسے کہ جب وہ خاموش ہو جاتی ہے یعنی بجھ جاتی ہے تو اس کو شمع کشتہ اور شمع مردہ کہتے ہین۔

کرے ہے صرف بہ ایمائے شعلہ قصہ تمام   بطرزِ اہلِ فنا ہے فسانہ خوانیِ شمع

شمع کی فسانہ خوانی اور اپنا قصہ سنانا اس طرح ہے جیسے کہ عارف اپنا حال اشارون مین ظاہر کرتے ہین شمع کے شعلہ کی جنبش کو اشارہ مانا گیا اور جل بجھنے کو قصہ کا تمام کرنا فرض کیا گیا۔ دوسرا پہلو جو مولانا نظم کے یہان ہے وہ یہ ہے کہ شمع صرف اشارے سے سارا قصہ تمام کرتی ہے یعنی شعلہ سے لو لگا کر سر سے پاؤن تک فنا ہو جاتی ہے جس طرح صوفیان اہل فنا شعلہ عشق سے لو لگا کر فنا فی الذات ہو جاتے ہین اور اپنی ہستی سے گذر جاتے ہین مگر غور کیجیے تو دوسرے معنی پہنانے سے لفظ فسانہ خوانی بیکار ٹھہرتا ہے کیونکہ اہل فنا کے جل بجھنے کو فسانہ خوانی نہین کہہ سکتے اگرچہ جل بجھنے سے قصہ تمام ضرور ہو جاتا ہے۔

شمع کا قصہ صرف اس قدر سمجھ لیجیے کہ مجھے جلایا اور مین بے تکلف جل گئی۔

غم اُس کو حسرتِ پروانہ کا ہے اے شعلہ   ترے لرزنے سے ظاہر ہے ناتوانیِ شمع

اے شعلہ تیرے لرزنے سے ظاہر ہوتا ہے کہ شمع کو پروانے کے جل جانے کا غم ہے اور وہ ناتوان و لاغر ہو گئی ہے۔

اتفاق سے حکیم مومن خان صاحب کی غزل بھی اسی ردیف مین ہے جسکے کئی ایک شعر غالب سے ملتے جلتے ہین آپ بھی غالباً دو اُستادون کے موازنہ سے لطف اٹھائین گے اور معلوم کرینگے کہ دو استاد جب ایک ہی بحث ایک ہی مضمون پر قلم اٹھاتے ہین تو

کیونکر توارد سرقہ وغیرہ کے الزام سے خود کو بچا لیتے ہین یہ بھی نہین تو کم از کم یہ ضرور ہوگا کہ حکیم مومن خان ایک مشاق شاعر تھے سمجھ لیجیے کہ غالب اور مومن مرحوم ایک مجلس مشاعرہ مین غزل پڑھ کر اپنی اُستادی کا سکہ جما رہے ہین۔

غالب — رخِ نگار سے ہے سوزِ جاودانیِ شمع — ہوئی ہے آتشِ گل آبِ زندگانیِ شمع
مومن — داغِ جدائی و دردِ دندان روئے و زلف — ہے رشکِ شمع و شعلہ شمع و دخانِ شمع
غالب — غم اُس کو حسرتِ پروانہ کا ہے اے شعلہ — ترے لرزنے سے ظاہر ہے ناتوانیِ شمع
مومن — آتا ہے بیکسونپہ تو جلاد کو بھی رحم — روتی ہے شمع آپ سر کشتگانِ شمع
غالب — جلی ہے دیکھ کے بالینِ یار پر مجھکو — نہ کیون ہو دل پہ مرے داغِ بدگمانیِ شمع
مومن — اسکو بھی کوئی پردہ نشین ہی جلائے ہے — فانوس سے سنا ہے یہ رازِ نہانِ شمع
غالب — کرے ہے صرف بایمائے شعلہ قصہ تمام — بطرزِ اہلِ فنا ہے فسانہ خوانیِ شمع
مومن — روشن ہے اہلِ بزم پہ شکوہ نسیم کا — اس بہکتی[1] زبانپہ دیکھو بیانِ شمع

غالباً توازن کردہ شعرون مین خیال ایک ہے اور اس کو متفرق طریقہ سے ادا کیا ہے۔

ترے خیال سے روح اہتزاز کرتی ہے   بجلوہ ریزیِ باد و بپر فشانیِ شمع

تیرے خیال روح کو جنبش ہوتی ہے قسم ہے شمع کے لرزنے اور ہوا کے چلنے کی یا تیرے خیال سے روح کو ہوا کی طرح جنبش ہوتی ہے اور شمع کی طرح سے پرفشانی کرتی ہے جلوہ کی (ب) کو تشبیہ کے لیے ٹھہرانے مین اتنا لطف نہین ہے جتنا کہ قسمیہ ٹھہرانے مین عبارت مین بلاغت اور فصاحت کی جھلک نظر آتی ہے اور جس مین کہ وہی تشبیہ کے معنی خود بخود پیدا ہو جاتے ہین۔

اہتزاز ہوا کے چلنے کو کہتے ہین اور چونکہ بعض حکمانے روح کو بھی ہوا قرار دیا ہے اسواسطے وہ لفظ ہوا اسکے لیے خاص ہے روح کے لیے بھی ایک لطف پیدا کر دیتا ہے واضح ہو کہ (ب) کو اگر سببیہ ٹھہرائین گے تو یہ معنی پیدا ہون گے تیرے خیال سے روح پھڑکنے لگتی جس وقت ہوا چلتی ہے یا شمع پرفشانی کرتی ہے گویا اس کے سبب سے میری روح کو بھی ایک اُمنگ پیدا ہوتی ہے اور وہ چاہتی ہے کہ جس طرح یہ جل کر اپنے معشوق سے ملتی ہین مین اسی طرح اپنے مبدا حقیقی سے ملجاؤن۔

[1] بہکتی مین ہائے ہوز لبسکون صحیح نہین ہے بلکہ بکسرہا و سکون کاف۔

نشاطِ داغِ غمِ عشق کی بہار نہ پوچھ — شگفتگی ہے شہیدِ گلِ خزانیٔ شمع

داغ غم عشق کی خوشی اور بہار کی کیفیت کو نہ پوچھ اگرچہ یہ داغ مثل گل شمع کے ہے جو اس کی بہار کو خزان بنا دیتا ہے مگر وہ گل خزانی شمع ایسا ہوتا ہے کہ بہار بھی اسیر شیفتہ اور نثار ہے کیونکہ اس گل خزانی کی بہار اور اُس کا انجام فنا ہے اور وہ عین بقا ہے اور گل گلشن کی بہا کا انجام خزان ہے اور وہ فنا ہے یہی صورت گل داغ عشق کی ہے۔

جلے ہے دیکھ کے بالینِ یار پر مجھ کو — نہ کیوں ہو دل پہ مرے داغِ بدگمانیٔ شمع

شمع بالین یار پر مجھکو دیکھکر جلتی ہے اور چاہتی ہے کہ سوا اسکے میرے اور کوئی وہان نہ رہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ میری رقیب ہے تو پھر اس کی بدگمانی کا میرے دل پر داغ کیون نہ ہو۔

ردیف ف

ہیں رقیب سے نہیں کرتے وداعِ ہوش — مجبور یاں تلک ہوئے اے اختیار حیف

معشوق کی بزم مین اس کے جلوے یا اس کی بے اعتنائیون کو دیکھ کر بیہوش بھی نہین ہو سکتے کیونکہ رقیب ہمارا راز عشق فاش کریگا۔ یا وہ معشوق سے بے تکلف ہو جائیگا یا وہ ہمارا بُرا حال دیکھکر خوش ہوگا۔ اے اختیار افسوس ہے کہ ہم اس قدر مجبور ہو گئے ہین کہ اپنے ہوش و بیہوشی کا بھی ہمکو اختیار نہین رہا یا اس صورت مین یون فرض کر لیجئے کہ اختیار کو مخاطب کر کے مصنف کہتا ہے کہ اے اختیار افسوس ہے کہ تو ہماری یہ حالت دیکھتا ہے اور کچھ امداد نہین کرتا اقبال کا ایک شعر یاد آیا ہے مرے خیال مین وہ زندگی نہیں ساقی نہ جو ہشیاری و مستی مین امتیاز کرے

جلتا ہے دل کہ کیوں نہ ہم اک بار جل گئے — اے ناتمامیٔ نفسِ شعلہ بار حیف

اے آہ شعلہ بار تو ہم کو بتدریج جلا رہی ہے لیکن ہم اس بات سے جل رہے ہین کہ ہم الدم کیون نہ جل گئے یا یہ کہ دمبدم ہماری عمر کا حصہ گھٹتا جاتا ہے اور ہم آہستہ آہستہ گویا جل

رہے ہین مگر ہم کو اس کا کمال رنج ہے کہ ایک دم نہین جل جاتے۔ طب کا مسئلہ ہے کہ ہر سانس کے ساتھ جو ہوا جسم مین جاتی ہے وہ ترویح قلب کرتی ہے جس سے حرارت غریزی کو اشتعال دیتی ہے اور وہی حرارت باعث بقا و فنا ہے تو گویا وہ ایک آگ ہے جو دمبدم جلا رہی ہے رشید یہ سلسلہ روح کی بقا بیان آخر مرے کام آگئین — ہر نفس کہتا ہے مین جلتی ہوئی شمشیر ہون

ردیف ک

زخم پر چھڑکیں کہاں طفلانِ بے پروا نمک — کیا مزا ہوتا اگر پتھر میں بھی ہوتا نمک

میرے زخمون پر بے پروا لڑکے کہان نمک چھڑکتے پھرین۔ اگر انہین پتھر دن مین جو وہ دیوانہ سمجھکر مجھکو مارتے ہین نمک بھی پیدا ہوا کرتا تو بڑا مزا ہوتا۔ تاکہ جب وہ پتھر مارتے تو زخم بھی ہوتا اور نمک بھی چھڑکا جاتا تو مجھ ایذا دوست کو دونی لذت حاصل ہوتی۔

گردِ راہِ یار ہے سامانِ نازِ زخمِ دل — ورنہ ہوتا ہے جہاں میں کس قدر پیدا نمک

میرے زخم دل کا سامان ناز راہ یار کی گرد ہے ورنہ نمک تو دنیا مین بہت پیدا ہوتا ہے اسکا میرے زخمون پر چھڑکا جانا کچھ دشوار نہین ہے۔ وہ میسر ہو سکتا ہے کاش وہ خاک چھڑکی جاسے۔ نازک بات اس مین یہ ہے کہ نمک اگرچہ ابتدا تکلیف رسان ہے مگر آخر مین وہ زخم کو بھر دیتا ہے اور مٹی زخم کو بڑھاتی ہے بھرتی نہین

یا یہ کہ میرے زخمون پر چھڑکنے کے لئے نمک کی پیدائش ناکافی ہے کس قدر تحقیر کے لئے تیسری یہ صورت بھی نکلتی ہے کہ میرے زخمون پر نمک تو پڑا ہوا ہے مگر میرے زخمون کے لئے نمک کا چھڑکا جانا باعث ناز نہین ہے۔ باعث فخر تو صرف گرد راہ یار ہے جو انمین بھری ہوئی ہے جو ہر ایک کو میسر نہین ہوتی ہے۔ نمک تو ایک معمولی اور ارزان چیز ہے۔

مجھ کو ارزانی رہے تجھ کو مبارک ہو جیو — نالۂ بلبل کا درد اور خندۂ گل کا نمک

اس شعر مین لف و نشر مرتب ہے۔ تجھکو خندۂ گل کا نمک مبارک ہو اور مجھے نالۂ بلبل کا درد یعنی تجھے حسن نے گل کی طرح خندۂ نمکین عطا کیا ہے اور اس خندۂ نمکین نے مجھے

نالۂ پردرد بلبل دیا ہے اسلئے دونون قابل مبارکباد ہین۔ وہ نمک تیرے لئے باعث فخر ہے اور یہ درد میرے لیے مایۂ ناز ہے۔ ہوجیو جو اس شعر مین مستعمل ہے وہ اگرچہ اب متروک ہے مگر مولانا نظم نے ساتھ ہی یہ بھی لکھا ہے کہ ہوجیو نہایت مکروہ لفظ ہے مجھے اس مین کوئی کراہت نہین معلوم ہوتی اور صیغۂ امر کا اس صورت مین غالب کے زمانے تک عام استعمال ہوتا رہا آئیو جائیو کھائیو۔ رکھیو یہ سب الفاظ صحیح تھے سند کے لیے غالب ہی کا ایک شعر ہے ؎

رکھیو غالب مجھے اس تلخ نوائی مین معاف ۔۔۔ آج کچھ درد مرے دل مین سوا ہوتا ہے

لیجئے اور شعر غالب ہی کا یاد آیا ؎

ہان کھائیو مت فریب ہستی ۔۔۔ ہر چند کہین کہ ہے نہین ہے

اسی طرح غالب کے معاصرین مین آزردہ۔ ذوق۔ مومن۔ شیفتہ سب کے یہان یہ الفاظ مستعمل ہین۔

شور جولان تھا کنار بحر پر کس کا کہ آج ۔۔۔ گرد ساحل ہے بہ زخم موجۂ دریا نمک

آج کس شہسوار ناز نے کنار دریا پر اپنے توسن کو تیزی کے ساتھ دوڑایا ہے کہ جس کے شور جولان کے رشک سے دریا کے دل زخمون مین (جو موجین ہین) گرد ساحل کا رشک سے نمک چھڑکا گیا اور اس شور جولان کے سامنے دریا کو اپنا زور شور ہیچ معلوم ہوا۔ مصرع ثانی مین صرف ایک لفظ (ہے) اردو ہے۔ اور باقی فارسی اردو مین اس قدر فارسیت اچھی نہین (بزخم موجۂ دریا) سوائے فارسی زبان کے اردو مین آدھے تیتر آدھے بٹیر کا رنگ دکھاتا ہے۔ اگرچہ غالب کو بوجہ فارسیت غالب ہونے کے معذور رکھ سکتے ہین مگر اب ایسا نہ لکھنا چاہئے۔

داد دیتا ہے مرے زخم جگر کی واہ واہ ۔۔۔ یاد کرتا ہے مجھے دیکھے ہے وہ جس جا نمک

میرا معشوق میرے زخمون کی قدر کرتا ہے جہان کہین نمک دیکھتا ہے وہ مجھکو یاد کرتا ہے کہ اچھا ہوتا یہ اس کے زخمون پر چھڑ جاتا۔ یاد کرتا ہے بلانے کے معنی مین ہے کہ نمک کے دیکھتے ہی وہ مجھے بلاتا ہے اور میرے زخمون پر چھڑکتا ہے یہ مبالغہ ہے۔ آجکل دیکھے ہے متروک اور دیکھتے ہین یا دیکھتا ہے مستعمل ہے۔

چھوڑ کر جانا تن مجروح عاشق حیف ہے ۔۔۔ دل طلب کرتا ہے زخم اور مانگے ہین اعضا نمک

عاشق کے جسم کو زخمی کر کے چلا جانا ایک افسوسناک بات ہے کہ دل جس کی وجہ سے جسم پر زخم لگے ہین ابھی زخمون کی دولت سے محروم ہے اور اعضائے زخم رسیدہ نمک کے خواہشمند ہین ابھی کام بالکل ادھورا ہے اس صورت مین تیرا چلا جانا اچھا نہین یہ ایک حیلہ ہے جس سے دم بھر معشوق کو اور ٹھہرانا چاہتا ہے۔ مانگے ہے بجائے مانگتا ہے اب غیر فصیح ہے۔

غیر کی منت نہ کھینچونگا پئے توفیر درد ۔۔۔ زخم مثل خندۂ قاتل ہے سراپا نمک

مین درد زخم زیادہ کرنے کے لئے غیر کا احسان اپنے سر لونگا کہ اس سے نمک چھڑکنے کی التجا کرون جیسے خندۂ قاتل نمکین ہے اسی طرح میرا زخم بھی خندان ہے اور وہ سراپا نمک بنا ہوا ہے منت کھینچنا محاورہ فارسی کا ترجمہ ہے (منت کشیدن) مگر اردو مین اگر لکھتے ہین تو منت کشی ہی لکھتے ہین یا منت اٹھانا وغیرہ۔ منت کھینچنا اب نہین لکھتے غلط نہین ہے مگر جب مترادف الفاظ ہمارے یہان موجود ہین تو کیا ضرورت ہے کہ محاورہ فارسی کا ترجمہ کیا جائے۔

یاد ہین وہ دن مجھے غالب کہ وجد شوق مین ۔۔۔ زخم سے گرتا تو مین پلکون سے چنتا تھا نمک

غالب مجھے وہ دن یاد ہین کہ وجد شوق ایذا طلبی کی حالت مین اگر میرے زخم سے نمک گر جاتا تھا تو مین اس کو پلکون سے چنتا تھا۔ نمک کا پلکون سے چننا ایک جوگیون کا مسئلہ ہے کہتے ہین کہ نمک کا اتنا ادب کرنا چاہئے کہ زمین پر گر جائے تو اسے پلکون سے چنئے۔

آہ کو چاہئے اک عمر اثر ہونے تک ۔۔۔ کون جیتا ہے تری زلف کے سر ہونے تک

سر ہونا ایک محاورہ ہے جس کے معنی حال کے معلوم کرنے مین اسرار و مبالغہ کے ہین دوسرے سر ہونا کسی بات کا انجام کو پہونچنا یہان دونون معنی لیے جاسکتے ہین اول یہ کہ یہ ضرور ہے کہ ہماری آہ مین اثر ہوگا مگر بہت دیر مین ہوگا اور دیر مین

تیری زلف پیچیدہ کے اسرار سے ہم باخبر ہونگے اس وقت تک ہم کو اپنی زندگی کی بھی امید نہین ہی دوسرے یہ کہ جبتک ہماری آہ اثر کریگی اور تیری زلف کی فہم کو فتح کرین گے اتنے مین ہمارا کام تمام ہو جاسے گا۔ حاصل یہ کہ تیری زلف دراز ایسی ہے کہ میری عمر اسکے حال معلوم کرنے یا اسپر قبضہ کرنے مین تمام ہو جائے گی۔

اگرچہ بادی النظر مین یہ گمان ہوتا ہے کہ محض قافیہ او رمحاورہ کی غرض اور مناسبت لفظی کے لیئے زلف کا مضمون اس شعر مین ادا کیا گیا ہے مگر ایک نازک بات یہ ہے کہ ولیر تو قبضہ ہونا اور اس کے اسرار معلوم کرنا تو بہت ہی دشوار او رناممکن ہی ہماری عمر ایک ابتدائی اور لایعنی ہی کام مین ختم ہو جاے گی اسی طرح تمام اعضا کو کہہ سکتے ہین کہ تمام پر قبضہ پانا تو بہت ہی محال ہے۔

واضح ہو کہ اکثر نسخون مین ردیف مین بجانے ہونے تک کے ہوتے تک دیکھنے مین آئی ہے اور یہ ظاہر ہے کہ ہوتے تک بھی مصدری معنی پیدا کرتا ہے حکیم مومن خان کے یہان بھی اسی ردیف مین ایک غزل پائی جاتی ہے انھون نے بھی بجاے نون کے ردیف مین (ت) رکھی ہے۔

مولانا نظم اور حسرت صاحب کے یہان ہوتے تک ہی مین بھی اسی کو اچھا سمجھتا ہون خدا جانے غالب نے کیا لکھا تھا یا یہ کہ تیری زلف جب تک رسا ہوگی ہمارا کام تمام ہو جاسے گا۔

دام ہر موج مین ہی حلقۂ صد کام نہنگ   دیکھین کیا گذرے ہی قطرے پہ گہر ہونے تک

دریا کی ہر موج کے جال مین صد کام نہنگ کے حلقہ ہین معلوم نہین قطرہ جب تک موتی ہو اسپر کیا کیا آفتین آتی ہین۔ کام نہنگ کو حلقۂ دام سے استعارہ کیا ہے۔ حاصل یہ کہ کمال کے حاصل کرنے مین اہل کمال پر ہزارون آفتین آتی ہین بہت خوب شعر کہا ہی۔

عاشقی صبر طلب اور تمنا بیتاب   دل کا کیا رنگ کرون خون جگر ہونے تک

عاشقی کے معاملات مین صبر کرنے کی ضرورت ہے اور تمنا جلد باز ہے تو مجھے اس کشمکش اور متضاد حالت سے یہ فکر پیدا ہوئی ہے کہ جب تک جگر کا خون ہو اور قصہ اختتام کو پہونچے اپنے دل کا کیا حال کرون اور کیونکر ضبط کرون۔

ہمنے مانا کہ تغافل نہ کروگے لیکن   خاک ہو جائینگے ہم تمکو خبر ہونے تک

یعنی یہ بھی مانا کہ آپ ہمارا حال دل سنکر غفلت نہ کرینگے اور جلد سے جلد خبر لینگے مگر ہم مین اتنی طاقت نہین ہے کہ صبر کرین اور زندہ رہین ہم کو سوز دل اُس وقت تک خاک کر دیگا۔

اسی طرح کا بالکل ایک شعر میر درد کا ہے ؎

کی تو بھی تاثیر آہ آتشین نے اسپہ بھی   جب تلک پہونچی ہی پہونچے راکھ کا یان ڈھیر تھا

پرتوِ خور سے ہی شبنم کو فنا کی تعلیم   مین بھی ہون ایک عنایت کی نظر ہونے تک

بعض حکما کا قول ہی کہ شبنم آفتاب سے پیدا ہوتی ہے اور آفتاب ہی کی حرارت اس کو جذب کر دیتی ہے اسی صورت کا مصنف اظہار کرتا ہے کہ دھوپ شبنم کو فنا کی تعلیم دیتی ہے یعنی اس کو فنا کرتی ہے مجھے بھی اگر آپ عنایت کی نظر کرتے تو ہنوز مین بھی فنا ہو جاتا یا جب آپ نظر کرین گے فنا ہو جاؤنگا بالکل یہی مضمون شیخ علی حزین کے یہان پایا جاتا ہے ؎

گر انجان تر ز شبنم نیست جسم ناتوان من   اگر بینو با من روے گرمی آفتابش را

مثلاً صائب فرماتے ہین۔

بہ اندک روے گرمی پشت بر گل میکند شبنم   چرا در آشنائی این قدر کس بیوفا باشد

صائب کے یہان اسی مضمون کو نامحانا پیرایے مین ادا کیا گیا ہے کہ باوجود اس کے کہ پھول شبنم کو اپنے دل مین جگہ دیتا ہے مگر جہان ذرا آفتاب کا سایہ پڑتا ہے شبنم غائب ہو جاتی ہے اور یہ اس کی پھول کے ساتھ ایک سخت بیوفائی ہے۔

یک نظر بیش نہین فرصت ہستی غافل   گرمیٔ بزم ہی اک رقص شرر ہونے تک

دنیا کے رہنے کی فرصت صرف اسیقدر ہے کہ ایک نظر اس کو دیکھ سکے محفل کی گرمی اسیوقت تک قائم رہتی ہے جب تک کہ شعلہ رقص کرتا ہے گویا وہ رقص شرر اس کی ہستی اور عمر کی مدت ہے جس کے بعد وہ ختم ہو کر فنا ہو جاتا ہے ایک جگہ ذوق کہتے ہین ؎

کیا اعتبار ہستیٔ ناپائیدار کا   چشمک ہے برق کی کہ تبسم شرار کا

دوسرا پہلو یہ ہے کہ زندگی اک شعلہ ہے جو رقص کر رہا ہے جس وقت یہ ختم ہوا عمر ختم ہو گئی ملنظر

سے مراد بہت ہی کم نیز وہی طب کا مسئلہ ہے جس کا پہلے ذکر ہو چکا ہے۔

غم ہستی کا اسد کس سے ہو جز مرگ علاج — شمع ہر رنگ میں جلتی ہے سحر ہونے تک

اے اسد غم ہستی کا سوائے موت کون علاج کر سکتا ہے شمع کو بہر صورت جبراً و قہراً صبح تک جلنا پڑتا ہے اور پھر جب وہ فنا ہوتی ہے تو اس کو آرام ہوتا ہے۔ غالب نے ایک جگہ اسی مضمون کو اور بھی کہا ہے ؎

اے شمع تیری عمر طبیعی ہے ایک رات — ہنس کر گذار یا اسے رو کر گذار دے

ذوق مرحوم فرماتے ہیں ؎

اے شمع صبح ہوتی ہے روتی ہے کس لئے — تھوڑی سی رہ گئی ہے اسے بھی گذار دے

یہ دونوں شعر ایک ہی مشاعرے میں پڑھے گئے تھے غالب مرحوم ذوق سے توارد دیکھکر اور ان کے شعر کو اپنے شعر سے پست پا کر اس شعر کو پڑھنا نہ چاہتے تھے مگر مجبوراً پڑھا۔

ردیف گ

گر تجھکو ہے یقین اجابت دعا نہ مانگ — یعنی بغیر یکدل بے مدعا نہ مانگ

اگر تجھ اپنی دعا کے قبول ہو جانے کی بھی امید ہے تب بھی دعا نہ کر اپنے دل کو بے مدعا رکھ اور ہمیشہ اسی خواہش میں رہ کہ دل میں کوئی مدعا پیدا نہ ہو نہ دل میں کوئی خواہش ہوگی نہ دعا مانگنے کی ضرورت پڑے گی۔

آتا ہے داغ حسرت دل کا شمار یاد — مجھسے مرے گنہ کا حساب اے خدا نہ کر

اے خدا تو میرے گناہوں کا حساب کرتا ہے تو مجھے یاد آتا ہے کہ مجھے کس کس گناہ کے کرنے کی حسرت باقی رہ گئی ہے اس سے بہتر ہے کہ تو مجھ سے میرے گناہ کا حساب نہ کر دوسری جگہ فرماتے ہیں اور گویا وہی شعر کی شرح ہے ؎

ناکردہ گناہوں کی بھی حسرت کی ملے داد — یارب اگر ان کردہ گناہوں کی سزا ہے

اسی خیال کا فارسی میں بھی جگہ اعادہ کیا ہے۔ رباعی ؎

اے آنکہ دہی مایہ کم و خواہش بیش — آمرزش کردہ وقت باز پرس آمیش

بگذار مرا کہ من خیال دارم — باحسرت عیش ہائے ناکردہ خویش

ردیف ل

ہے کسقدر ہلاک فریب وفائے گل — بلبل کے کاروبار پہ ہیں خندہ ہائے گل

بلبل اس قدر فریب وفائے گل پر مٹی ہوئی ہے اور اس کے رنگ کو پائدار سمجھتی ہے مگر بلبل کے اس خلل دماغ پر پھول ہنس رہے ہیں ایک جگہ پہلے فرما چکے ہیں ؎

بلبل کے کاروبار پہ ہیں خندہ ہائے گل — کہتے ہیں جس کو عشق خلل ہے دماغ کا

آزادی نسیم مبارک کہ ہر طرف — ٹوٹے پڑے ہیں حلقہ دام ہوائے گل

نسیم خوشبو ملی ہوئی ہوا اور خوشبو اسی کو مصنف کہتا ہے کہ نسیم کو مبارک ہو اور وہ آزادی سے گشت لگائے۔ گل شگفتہ گویا پھول کی محبت کے جال کے حلقے ہیں جنکو ہوا نے توڑ دیا ظاہر ہے کہ نسیم ہی پھولوں کو شگفتہ کرتی ہے اس میں نسیم کی آزادی کی نسیم ہی کو مبارکباد دی گئی مگر دوسرا پہلو یہ بھی پیدا ہوتا ہے کہ عاشق بطریق طنز معشوق سے کہتا ہے کہ لیجئے نسیم دام ہوائے گل میں گرفتار تھی مگر وہ اس دام کے حلقوں کو توڑ آئی اب آپ کو ایک نیا عاشق ملا۔ آپ کا حسن گل کے حسن سے زیادہ ہے آپ اس کو ضرور اپنے دام محبت میں اسیر کر لیں گے یا عام آدمیوں کو مبارک باد دی گئی کہ نسیم دام محبت گل سے آزاد ہو گئی ہے اب پھولوں کی خوشبو کو منتشر کرے گی۔

جو تھا سو موج رنگ کے دھوکے میں مر گیا — اے وائے نالۂ لب خونیں نوائے گل

لوگ پھول کے نالۂ خونیں نوا کو رنگ سمجھ کر اس پر فریفتہ ہو رہے ہیں۔ ہائے پھول کا گریۂ خونیں کس قدر بے اثر ہے بہت خوب شعر کہا ہے۔

خوش حال اس حریف سیہ مست کا کہ جو — رکھتا ہو مثل سایۂ گل سر بپائے گل

وہ حریف سیہ مست بہت اچھا ہے جو سایۂ گل کی طرح گل کے پاؤں پر بیہوش پڑا ہوا

عرض حال کر رہا ہو - ایک جگہ مرزا داغ مرحوم فرماتے ہین ؎

غش کھا کے داغ یار کے قدمون پہ گر پڑا ۔ بیہوشی نے بھی کام کیا ہوشیار کا

ایجاد کرتی ہے اسے تیرے لئے بہار ۔ میرا رقیب ہے نفس عطر سائے گل

بہار پھولون کو اس لیے کھلاتی ہے کہ تو انکی خوشبو سونگھے - انکی سیر کرے - انکا ہار پہنے یا تیرے بستر پر بچھائے جائین تو گویا پھول میرے رقیب ہین کیونکہ تجھے انکی خواہش اور محبت ہوگی یا وہ تیرے ہم بستر ہون گے۔

شرمندہ رکھتے ہین مجھے باد بہار سے ۔ مینائے بے شراب و دل بے ہوائے گل

جب زمانۂ بہار مین میرا شیشہ شراب سے اور دل ہوائے سیر گل سے خالی ہوتا ہے تو مجھے بہار سے شرمندگی ہوتی ہے۔

سطوت سے تیرے جلوۂ حسن غیور کی ۔ خون ہے مری نگاہ مین رنگ ادائے گل

چونکہ تیرا حسن غیرت مند ہے اور یہ نہین چاہتا کہ میرا عاشق میرے سوائے کسی دوسری شے کو نظر محبت سے دیکھے اسی بنا پر پھولون کی دلفریب ادائین میری نگاہ مین خون ہین اور مین انکو اچھا نہین سمجھتا بلکہ بری معلوم ہوتی ہین۔

تیرے ہی جلوہ کا ہے یہ دھوکا کہ آجتک ۔ بے اختیار دوڑے ہے گل در قفائے گل

پھول جو یکے بعد دیگرے کھلتے ہین یہ کسی اور سبب سے نہین ہے بلکہ اس کی خاص وجہ یہ ہے کہ ایک پھول کو کھلا دیکھکر دوسرا گل ناشگفتہ یہ سمجھتا ہے کہ صحن چمن مین جلوہ گر ہوا ہے اور یہ سمجھ کر دوسرا پھول بھی کھل جاتا ہے اسیطرح اس دھوکہ مین عدم سے یکے بعد دیگرے پھول دوڑے ہوے چلے آتے ہین فارسی مین کہا ہے - تا گل برنگ و بوے کہ ماند کہ در چمن ۔ گل دیدہ گل آمدہ در جستجوئے گل

غالب مجھے ہے اس سے ہم آغوشی آرزو ۔ جسکا خیال ہے گل جیب قبائے گل

اس مین حرف ندا محذوف ہے یعنی اے غالب مجھے اُس سے ہم آغوشی کی تمنا ہے جسکے

خیال نے گل سے اپنے گریبان کو زینت دے رکھی ہے۔

آغوشی کی (ے) دبتی ہے (اور یہ باتباع فارسی مصنف کے یہان جائز سمجھا گیا ہے کیونکہ اہل فارس بے تکلف حروف علت کو گرا دیتے ہین - یا اس جگہ یہ سمجھیے کہ دو حرف علت جمع ہونے سے ایک حرف گرا دیا گیا ہے جو صحیح ہے - اہل لکھنؤ (ے) کا گرنا صحیح نہین سمجھتے۔

ردیف میم

غم نہین ہوتا ہے آزادون کو بیش از یک نفس ۔ برق سے کرتے ہین روشن شمع ماتم خانہ ہم

آزادون کو ایک دم سے زیادہ غم نہین ہوتا ہے ہم اپنے گھر مین بجلی کی روشنی سے چراغ جلاتے ہین کہ دم بھر چاک کردہ ہمارے تمام غمون کا خاتمہ کر جاتی ہے یعنی دم بھر ہم نے اندھیرے کا غم کیا اور بجلی چمکی چراغ جلا اور غم تاریکی کا فیصلہ ہوگیا۔

محفلین برہم کرے ہے گنجفہ باز خیال ۔ ہین ورق گردانی نیرنگ یک بتخانہ ہم

تمھارا خیال ہر وقت محفلین برہم کیا کرتا ہے یعنی گذشتہ صحبتون کو جو درہم و برہم ہو گئین ہماری نظر کے سامنے لایا کرتا ہے - اس صورت مین ہم اُن اگلی صحبتون کے بتخانۂ تصاویر گنجفے کے ورق گردان ہین گنجفہ چونکہ ایک تفریح کا سامان ہے اس لیے اسکی ورق گردانی سے یاد محفلہا برہم شدہ نشاط کا پتہ چلتا ہے نہ کہ مجالس ماتم و عزا کا - ورق گردانی مین یائے مصدری کا دھوکہ ہوتا ہے مگر دراصل یہ یائے فاعلی ہے۔

باوجودیکہ جہان ہنگامہ پیدائی نہین ۔ ہین چراغان شبستان دل پروانہ ہم

باوجود اس کے کہ ہنگامہ بہت ہے اور شور و شوربی اس قدر زیادہ ہے مگر پھر بھی کچھ نہین ہماری ہستی ہماری شور و شوربی اُن چراغون سے مشابہ ہے جو پروانہ کے دل مین جلتے ہین اور جن سے پروانہ مین یہ اضطراب اور انتشار ہے جسکا دیکھئے تو دراصل کوئی وجود نہین ہے۔

ضعف سے ہے نے قناعت سے یہ ترک جستجو ۔ ہین وبال تکیہ گاہ ہمت مردانہ ہم

لوگ سمجھتے ہوں گے کہ ہم جو ترک دنیا کیے ہوئے ہیں یہ قناعت کے سبب سے ہے۔ مگر واقعہ یہ نہیں ہے کہ ہم جستجو کرتے کرتے تھک گئے ہیں تو اس سے ہم پڑ رہے ہیں لہذا ہم تکیہ گاہ ہمت مردانہ (یعنی قناعت کے لیے جو دراصل بربنائے ضعف ہے) وبال ہیں یعنی ہمت مردانہ قناعت پر تکیہ کرتی ہے اور ہمارا قناعت پر تکیہ ضعف سے ہے نہ کہ ہمت مردانہ سے۔ جو لوگوں کو قناعت کا فریب دیتا ہے اسلیے تکیہ گاہ ہمت مردانہ ہم سے شرم کرتی ہے۔

دامِ دل میں ہمیں ہیں لاکھوں تمنائیں اسد   جانتے ہیں اس دلِ پرخوں کو زنداں خانہ ہم

میرا دل پرخون ایک ایسا قید خانہ ہے جس میں لاکھوں حسرتیں ہمیشہ کے لیے مقید کر دی گئی ہیں یعنی میرے دل کے ارمان کبھی پورے نہیں ہوتے۔

بنالہ حاصل دلبستگی فراہم کر   متاع خانۂ زنجیر جز صدا معلوم

اگر تو دل بستہ ہے تو رونا بھی اختیار کر کیونکہ زنجیر جو ایک دل بستہ ہے اسکے گھر میں سوائے نالہ و فریاد کے کچھ نہیں ہے۔ گویا حاصل دلبستگی رونا ہے۔ ایک میرا شعر ہے ؎

گل داغ جنوں ہیں دل میں اب رونا بھی لازم ہے   ہمیں اس نغ کی کرنی پڑیگی باغبانی بھی

مارا دیار غیر میں مجکو وطن سے دور   رکھ لی مرے خدا نے مری بیکسی کی شرم

مجکو خدا نے غریب الوطن مارا اور پردیس میں موت دی۔ اس صورت میں گویا اُسنے میری بے کسی کی شرم رکھ لی۔ کہ جیسا میں بیکس تھا اس کے لیے غریب الوطنی کی موت بھی ضرور چاہیے تھی۔

دوسرا مطلب یہ ہے کہ اگر میں وطن میں بھی مرتا تو بھی بسبب اسکے کہ میں ایک بیکس تھا کوئی مجھے رونے نہ آتا یا میرا کوئی غم نہ کرتا اور یہ امر میرے لیے باعث رنج اور دوسروں کے لیے ہنسنے کا موجب ہوتا لیکن اب جو پردیس میں میری لاش بے دفن و کفن پڑی ہوئی ہے اور کوئی رونے والا نہیں ہے تو کم از کم لوگ یہ تو کہتے ہیں کہ یہ ایک بیکس تھا غریب الوطن تھا۔ بخلاف وطن کے کہ یہی واقعہ وہاں بھی ہوتا مگر وہاں باعث شماتت ہمسایہ ہو جاتا۔ آتش مرحوم کا ایک شعر ہے ؎

ہم کو غربت وطن سے بہتر ہے   ہنسنے والا نہیں ہے رونے پر

مولانا طق صاحب فرماتے ہیں اور کیا خوب فرماتے ہیں ؎

ہنسنے والا تو وہاں کوئی دل زار نہ تھا   رونے والے نہ تھے غربت کی اجل پر نہ سہی

وہ حلقہ ہائے زلف کمیں میں ہیں اے خدا   رکھ لیجیو مرے دعوے وارستگی کی شرم

اے خدا اُسکے دام زلف کے حلقہ میرے پھانسنے کی گھات میں لگے ہوئے ہیں اور میں ہنوز خود کو آزاد ظاہر کرتا ہوں اور دراصل آزاد ہوں تو اس صورت میں اگر وہ میرے اسیر کرنے میں کامیاب ہو گئے تو میری آزادی پر حرف آجائے گا لہذا اے خدا مجھے اُنسے بچانا اور میری وارستگی اور آزادی کے دعوے کی شرم رکھ لینا۔

ردیف نون (ن)

لوں دام بخت خفتہ سے اک خواب خوش و لے   غالب یہ خوف ہے کہ کہاں سے ادا کروں

میرا نصیبہ سو رہا ہے۔ اور میں بے خواب ہوں۔ تو اس حالت میں اپنی رفع تکلیف کے لیے ایک میٹھی نیند میں اپنے بخت خفتہ سے قرض ضرور لے سکتا ہوں۔ مگر اس کی ادائیگی کی کوئی صورت نہیں ہے کیونکہ مجھے تو کبھی خود نیند آتی ہی نہیں ہے۔

وہ فراق اور وہ وصال کہاں   وہ شب و روز و ماہ و سال کہاں

یہ تمام غزل ایک ہی رنگ میں کہی گئی ہے جس میں گذشتہ زمانہ کو یاد کیا گیا ہے کہتا ہے کہ دل میں وہ ذوق و شوق ہی باقی نہیں رہا جس کی بدولت وصل کی خوشی اور ہجر کا غم ہوتا تھا۔ وہ زمانہ اسکی راتیں اس کے ماہ و سال خواب و خیال ہو گئے۔

فرصت کاروبار شوق کسے   ذوق نظارۂ جمال کہاں

اب نہ دل میں عشق باقی ہے نہ تمنائے دیدار معشوق کا کہیں پتہ ہے۔